درس حدیث

محمد اظہر مدنی

غیراللہ کی قسم کھانا حرام ہے

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرک عمر بن الخطاب وھو یسیر فی رکب یحلف بابیہ فقال:الا ان اللہ ینھا کم ان تحلفوا بآبائکم ، من کان حالفا فلیحلف باللہ أو لیصمت.(صحیح بخاری-6646 / کتاب الایمان والنذور باب لاتحلفوا اباٰبائکم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو وہ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ چل رہے تھے اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں آباء واجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔جسے قسم کھانی ہے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے۔

تشریح : دور حاضر میں قسم کھانا ایک عام چلن اور فیشن بن گیا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانا پھر اس قسم کی بے حرمتی کرنا آج کل عام سا ہو گیا ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ اکثر قسمیں غیراللہ کے نام کی کھائی جاتی ہیں، جبکہ شریعت اسلامیہ نے قسم کھانے کے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں تاکہ اس کی عظمت واہمیت کے ساتھ کھلواڑ نہ ہو، اس کا مقام ومرتبہ باقی رہے۔یہی وجہ ہے کہ قسم توڑنے کی پاداش میں بطور جرمانہ کفارہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔قسم کو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ''حلف''اور''یمین'' کہا جاتا ہے۔انسان بہت ساری وجوہات کے پیش نظر قسم کھاتا ہے، کبھی تو اپنی بات میں قوت واستحکام پیدا کرنے کے لئے قسم کھاتا ہے تو کبھی لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اور کبھی کذب بیانی کے ذریعہ اپنے جال میں پھانسنے کے لئے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلاوجہ قسم کھانا انسان کی عادت بن جاتی ہے پھر وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ قسم ایک عظیم چیز ہے اس کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی ذات وصفات سے جوڑا ہے اور اپنے علاوہ غیروں کے نام اور ان کی صفات کی قسم کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو خبردار کیا اور ارشاد فرمایا: اگر تم کو قسم کھانی ہو تو اللہ کی قسم کھاؤ ورنہ خاموشی اختیار کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیراللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''لا والکعبۃ ''نہیں، کعبہ کی قسم! تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی قسم نہ کھائی جائے کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے غیراللہ کی قسم کھائی اس نے یا تو کفر کیا یا شرک کیا اور یہ دونوں ہی انسان کے ایمان کو برباد کر دینے والی چیزیں ہیں۔

لہٰذا قسم کی پاسداری بہت ضروری ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کبھی اپنی قسم نہیں توڑتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ اتارا، اس وقت انہوں نے کہا کہ اب اگر میں کوئی قسم کھاؤں گا اور اس کے علاوہ کوئی چیز بھلائی کی ہوگی تو میں وہی کام کروں گا جس میں بھلائی ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرونگا۔ اس واقعہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ غلط بات پر قسم کھانا اور اس پر اڑے رہنا کوئی بہادری کی بات نہیں ہے بلکہ کفارہ ادا کر کے اس سے بری ہو جانا چاہئے۔حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم کھاتے تھے یا اللہ کی کسی صفت کے ساتھ جیسے''واللہ''''وباللہ''''وتاللہ''یا کبھی کہتے''یامقلب القلوب''دلوں کے پھیرنے والے اللہ کی قسم۔یا کبھی کہتے''والذی نفسی بیدہ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا فرماتے''وعزتک''تیری عزت کی قسم......اس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور دین یا مذہب کی قسم کھاتا ہے تو اسے بطور کفارہ کلمہ توحید''لاالٰہ الا اللہ''پڑھنا ہوگا۔بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:من حلف باللات والعزی فلیقل :لاالہ الااللہ''جس نے لات وعزی کی قسم کھائی اسے بطور کفارہ کلمہ توحید پڑھنا ہوگا۔اسی طرح اگر کوئی بھول چوک سے قسم کھائے یا توڑ ڈالے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے البتہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قسم کا بڑا مقام ومرتبہ ہے شریعت میں، لہٰذا احتیاط کا پہلو ہمیشہ غالب رہنا چاہئے اور اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کبیرہ گناہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کی ناحق جان لینا اور قصداً جھوٹی قسم کھانا۔اسی طرح دنیاوی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے جھوٹی قسم کھانے کی سخت وعید آئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے دنیا کی معمولی پونجی خریدتے ہیں۔اور دوسری جگہ فرماتا ہے:''وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا''(اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد پھر نہ توڑو۔)''وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ''(تم اللہ کی ضمانت اپنی بات پر دے چکے ہو۔)اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم تمام لوگوں کو شریعت پر کاربند رہنے نیز قسم اور اس جیسے شریعت کے وہ تمام احکام ومسائل جو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں ان کو سیکھنے، سکھانے اور عام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین ☆☆

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
عامل قرآن بنیں	۷
علم شرعی کی اہمیت وفضیلت	۹
آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے	۱۴
والدین کے ساتھ حسن سلوک تقرب الٰہی کا ذریعہ	۱۸
تنہائیوں کے گناہ	۲۰
حج کے لئے پیدل سفر: کچھ وضاحتیں	۲۲
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۲۹
جماعتی خبریں	۳۰
اشتہار اہل حدیث منزل	۳۱
کلینڈر ۲۰۲۳ء	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ـــــــ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ـــــــ ۷/روپے
پاکستان ـــــــ ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ـ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

حدیث خیر وشر

انسان نفع ونقصان کے جاننے کا مکلّف ہے۔ خیر وشر کو پہچاننا اس کے فرائض زندگی اور اس کے اہم وضروری اعمال میں سے ہے۔ تاکہ وہ اپنے مقصد حیات کو پالینے کے لیے نفع کمائے، نقصان اور اثم سے بچے، خیر کو پہچان کر اس کے حصول کے لیے کوشاں ہو اور شر کو جان کر اس سے بچے اور دور رہے۔ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت وضرورت کو سمجھنا سب سے بڑی چیز ہے اور اس کی معرفت اور اس کا علم حاصل کرنا بہت بڑا کام ہے، جو انسان پر فرض ہے۔ ورنہ خیر وشر معلوم نہ ہونے اور حق وباطل کی کے گڈمڈ ہونے سے اور بھلے اور برے میں تمیز نہ ہونے سے انسان اندھیری رات کے مسافر کی طرح ہے جس کو کسی بھی سمت اور منزل مقصود کا پتہ نہ ہو، ہرگز ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا بلکہ ہوسکتا کہ وہ اس سے اور زیادہ دور ہی ہوتا چلا جائے اور ہلاکت اس کا مقدر ٹھہرے۔ جیسا کہ کسی قاصد بیت اللہ الحرام کو کعبہ کے مخالف سمت رواں دواں اور شاداں وفرحان جاتا دیکھ کر کسی ذی علم اور سمت اور منزل کے جانکار نے اکھڑ دیہاتی قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

ترسم   نرسی   بہ   کعبہ   اے   اعرابی
کیں   رہ   تو   می   روی   بترکستان   است

کہ اے قاصد بیت اللہ الحرام بدوی! مجھے یہ اندیشہ دامن گیر ہے کہ تم کعبہ شریف کو جانہ سکو گے کیوں کہ جو راہ تم نے اپنائی ہے اس میں تو محض کھائی ہی کھائی ہے، بھلا کہاں عربستان اور کہاں ترکستان!!

اس کے علم اور اس کے حصول اور اسے سیکھنے سکھانے کی بڑی اہمیت ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ اگر یہ چیز دنیا میں باقی نہ رہے اور فقط عمل اور جد وجہد صرف کی جاتی رہے تو دنیا ایک جہنم بن کر رہ جائے اور اس کی گاڑی دیر تک ہرگز نہ چل سکے۔ نظام زندگی کا برتنا بھی اسی خیر وشر کے پہچاننے پر موقوف ہے۔ آداب واخلاق، عبادات ومعاملات، اقتصادیات ومعاشیات، سماجیات وعمرانیات اور صحت وصفائی غرضیکہ سارے کاروبار حیات اور ہر چھوٹے بڑے معاملات میں بھلے برے کی معرفت اور اس میں تمیز وتفریق اہم ترین چیز ہے جسے ملحوظ خاطر رکھنا اور اس کی روشنی میں عمل پیرا ہونا انسان پر فرض ہے۔ اللہ جل شانہ نے اسی لیے حسنات وسیئات، خیر وشر، نفع ونقصان، بر واثم، تقویٰ وعصیان، عدل و

عدوان، ظلم وانصاف، صالح اور طالح، اچھے اور برے، نیک و بد، اس کی رضا و ناراضگی، اس کی خوشنودی اور ناپسندیدگی، اس کا لطف وکرم اور غیظ وغضب جیسی باتوں کو قرآن وحدیث میں ذکر فرما کر واضح فرما دیا ہے اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ جس طرح نیکیوں کا بجالانا اور اعمال صالحہ اور خیر کے کاموں میں جٹ جانا انسان کا وظیفۂ زندگی، فرائض منصبی اور انسانیت و اسلامیت ہے اسی طرح حرام اور ہر شر وفساد سے بچنا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔

اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ''وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ'' (البلد:١٠) ''ہم نے دکھادیئے اس کو (خیر اور شر) کے دونوں راستے'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا'' (الانسان:٣) ''ہم نے اسے راہ دیکھائی اب خواہ وشکر گزار بنے خواہ ناشکرا'' اور ''وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن'' (فصلت:٣٤) ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ان میں عظیم فرق ہے) برائی کو بڑی بھلائی سے دفع کرو''۔ اسی طرح ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه'' (الزلزال:٧-٨) اور جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا'' ''تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (المائدۃ:٢) ''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو'' اور فرمایا ''وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا'' (الاعراف:٥٦) ''اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کردی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ'' وغیرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَی فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ'' (البقرہ:٢٥٦) ''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہوچکی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا جاننے والا ہے۔''

دنیائے خیر وشر میں حلال وحرام سب سے بڑی چیز ہے۔ اس میں اگر تمیز و تفریق ختم ہوگئی تو سمجھئے کہ دنیا سے بھلائی اور خیر کا خاتمہ ہوگیا، لادینیت کا غلبہ ہوگیا اور میزان عالم مختل و برباد ہوگیا۔ اب روئے زمین پر فساد ہی فساد ہے اور اب سب کچھ تہہ وبالا ہوکر رہ جائے گا۔ ارشاد نبوی ہے۔ ''ان الحلال بین وان الحرام بین وبینهما مشتبهات لا یعلمهن کثیر من الناس'' (متفق علیہ) کہ حلال وحرام واضح ہیں۔ ان کو ہمیشہ مدنظر رکھنا ہے۔ ان کی پختہ جانکاری اور عملداری فرض ہے۔ رہ گئے وہ امور جو مشتبہ ہیں اور واضح طور پر جن کا علم نہ ہوسکا ہے کہ وہ حلال کے زمرے میں آتے ہیں یا حرام کے، تو ان غیر واضح اور مشتبہ چیزوں سے بچنا ہے، اگر ایمان اور جسم وجان کی سلامتی مطلوب ہے۔ اور یقیناً اسی سے عزت وآبرو اور دین وایمان بچے رہیں گے ورنہ حرام میں واقع ہونا یقینی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو حلال وحرام میں تمیز کرنے، اس میں واضح فرق کو جاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے باوجود فقط مشتبہ اور بظاہر بعض مباح چیزوں کے چکر میں پڑے گا اور اس سے پرہیز نہیں کرے گا وہ اپنی جان و ایمان اور عزت وآبرو داؤ پر لگادے گا۔ اور آج کی دنیا میں ایسی نت نئی چیزیں، باتیں اور معاملات درپیش ہو رہے ہیں کہ جن کا سمجھنا اور ان کی تہہ میں پہنچ جانا بیحد دشوار اور اس کا مشتبہ ومشکوک ہونا مسلم ہے۔ ایسے میں اپنے دین وایمان اور عزت وآبرو کے بچانے کی فکر دامن گیر ہونی چاہئے ورنہ دنیا جتنی تیزی سے ان ہلاکتوں کی طرف بغیر سوچے سمجھے بڑھتی چلی جارہی ہے وہ انتہائی تشویشناک اور خطرناک ہے، اسی لیے سلف اس کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔ جس طرح وہ خیر کو جاننے کے لیے بے تاب رہتے تھے، شر کی معرفت کے لیے ان کی وہی تڑپ تھی، محض اس لیے کہ مبادا انجانے میں ہم اس نامعلوم شر اور برائی کے مرتکب نہ ہوجائیں۔ صحابی رسول حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''کان الناس یسالون رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الخیر وکنت اساله عن الشر مخافة ان یدرکنی'' (مسلم) کہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے تھے کہ آپ ﷺ سے خیر کی باتیں دریافت کریں، مگر میں آپ سے شر وفتن سے بچنے کے لیے برائیوں کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ بقول شاعر:

عرفت الشر لا للشر ولکن لتوقیه
ومن لم یعرف الشر قد یقع فیه

میں نے شر کو شرانگیزی کے لئے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لئے پہچانا ہے۔ اس لیے کہ جو شر کو نہیں جانتا ہے اس کا اس میں ملوث ہونا یقینی ہے۔ بقول اصغر

سنکھیا مصری میں پہلے خوب ہی تمیز ہو
پھر اسے پھانکو کہ جسم و جان میں تفریح ہو

اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہمیشہ نیکی

وبدی کیا ہے؟ اسے سمجھاتے رہتے تھے، بھلائی و برائی میں تمیز کراتے تھے اور ادنیٰ مکروہ وحرام باتوں اور کاموں سے بھی روکتے تھے۔ ''وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا'' (البقرہ:۲۱۹) ''ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے'' کہہ کر ان کو چوکنا کرتے اور تنبیہ فرماتے کہ'' لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا''۔ (مسلم) کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے لیے دھوکے سے قیمتیں نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو' اور کبھی ارشاد ہوا'' اجتنبوا السبع الموبقات'' (صحیحین) کہ ''سات ہلاکت میں ڈالنے والی چیزوں سے بچو'' اور اس طرح نفاق وشقاق کی علامات اور دیگر امراض قلب اور علل جسمانیہ وروحانیہ کی تشخیص فرمائی۔

اس سلسلہ میں سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ عقائد والہیات کے باب میں اور اطاعت وبندگی کے منہج ومعمولات میں ایک مومن کو اللہ ورسول کے واضح ارشادات وفرمودات پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ یہی مومنین صادقین اور صحابہ و تابعین کی راہ اور طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی راستے اپنائے جائیں گے وہ چاہے جتنے بھی خوشنما و پرکشش نظر آئیں اور موثر دکھائی دیں وہ گمراہی کے راستے اور ابواب ہیں۔ اسی لیے سلف وصحابہ کرام نے ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کمالیہ کے بارے میں حکم دیا کہ''امروها كما جاءت'' کہ وہ جن الفاظ میں عربی مبین میں نازل اور وارد ہوئے ہیں انہیں ہو بہو تسلیم کرو اور وہی معانی اس کی ذات بابرکات اور اس کے شایان عالی شان کو ذہن نشین کرو اور انہیں بیجا وباطل خوض اور ذاتی ذوق ووجدان اور فقہ وفلسفہ کی درانتی پر مت چڑھاؤ ورنہ شاہراہ حق سے ہٹ کر کہیں اور پہنچ جاؤ گے۔ پھر بجز حسرت و یاس کے کچھ نہ پاؤ گے۔ ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' (الأعراف:۱۸۰) ''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔'' جیسی آیات میں اسماء حسنیٰ اور صفات علیا پر جو زور دیا گیا اور حصر کیا گیا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ تم ملحدین، متکلمین و متفلسفین اور منطیقین کی لا طائل کلامی بحثوں اور فلسفوں میں مت الجھو ورنہ تم بھی ملحد وزندیق ہو جاؤ گے۔ اس لیے صحابہ کرام جو دلوں کی صفائی، ایمان کی گہرائی، علم وفقہ کی پنہائی و بالائی اور تکلفات وتصنعات سے پرے تھے، عرب العرباء سب سے بڑے بلغاء اور اعلیٰ درجے کے فصحاء تھے، عرب تھے، ادنیٰ ادعیہ ورقیہ کے کلمات کو بھی آپ ﷺ سے اصلاح و پاس کرا لینے کے بعد ہی پڑھنے کی اجازت دیتے تھے۔ جیسا کہ صحابی رسول عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ جھاڑ پھونک کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:''اعرضوا علي رقاكم، لا باس بالرقا مالم يكن فيه شرك'' (مسلم) کہ تم رقیہ یعنی جھاڑ پھونک میں کیا پڑھتے ہو مجھے بتاؤ۔ اگر یہ شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

اور ذرا یہ تعلیم نبوی پڑھو اور اپنے دینی، ایمانی، مسلکی، سماجی، اقتصادی، اخلاقی، تعبدی، فقہی اور فکری رویے اور شخصی اور ان تمام اجماعی فرقہ بندیوں پر غور کرو جسے تم نے یا تمہارے آباواجداد اور ملک وماحول اور گذرتے وقت وزمانہ نے تمہارے لیے پیمانہ ٹھہرا دیا اور تم ان ہی جتھے داریوں میں مگن ہو اور ''كل حزب بما لديهم فرحون'' کے مصداق بنے بیٹھے ہو۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے زمین پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس لکیر کے دائیں بائیں متعدد لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو ان راستوں کی طرف (بڑے دلفریب اور پرفریب انداز میں) بلا رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ''وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام:۱۵۳)'' اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو'۔ (رواہ احمد)

یہاں مثال دے کر واضح فرمایا کہ حق وصداقت کا راستہ ایک ہی ہے جس پر گامزن ہو کر ہی انسان دنیوی واخروی کامیابی وکامرانی اور سعادتوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور وہ راستہ صراط مستقیم ہے جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے اور اس کے علاوہ جتنی بھی راہیں اور پگڈنڈیاں ہیں وہ ہلاکت وبربادی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

اور یہ صراط مستقیم اسلام کا راستہ ہے جو دین فطرت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس کے علاوہ وہ سارے مذاہب اور دین ودھرم اور ازم غیر مقبول ہیں۔ ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' (آل عمران:۱۹) ''بے

شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے''۔''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ'' (آل عمران:۸۵)''جو اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا''۔

باطل خواہ جس فارمیٹ اور جس روپ میں آئے وہ باطل ہی ہے۔ اس کی چمک دمک، کثرت اور عام پسندیدگی اسے اصلا درست نہیں بنا سکتی۔ حق حق ہی رہے گا اور باطل باطل، حلال حلال ہی رہے گا اور حرام حرام، نیکو کار نیکو کار کہلائے گا اور بدکار بدکار اور نیکی پھلے پھولے گی اور برائی اور حرام ختم ہو کر رہے گا۔ فرمایا: ''قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ'' (المائدۃ:۱۰۰)''آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو کثرت بھلی لگتی ہو''۔

''وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ'' (الغافر:۵۸)''اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کیے بدکاروں کے (برابر ہیں) تم (بہت) کم نصیحت حاصل کر رہے ہو''۔

اور اس سب کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ انسان ان برائیوں، شر و فساد اور حرام کاموں سے بچے، ورنہ اس کا صرف علم و ادراک اور برائیوں کی معرفت انسان کے لیے نقصاندہ اور جہنم رسید کر دینے والی چیز ہے۔ اگر اس کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کے مرتکب ہوئے تو یہ افسوس اور مصیبت کی بات ہوگی اور اگر جان بوجھ کر اس کے شکار ہوئے تو پھر مصیبت عظمیٰ کے شکار ہو گئے۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

نیز اس لیے بھی کہ جاننے کے باوجود اس حرام، گناہ اور شر و فساد سے نہ بچنا دلوں کو سیاہ کر دیتا ہے کہ پہلے جو برائی سے نفرت اور دوری و مجبوری تھی اب ڈھٹائی میں بدلنے سے اس کی قباحت دوچند ہو جاتی ہے۔

ایسے میں عقل مند وہی ہے جو حق و باطل اور خیر و شر کی تمیز کر کے اصلاح و بناؤ کی راہ اختیار کر کے آگے بڑھے، ملک و قوم اور انسانیت کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے قول و کردار میں اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اسی میں سب کی بھلائی اور روشن ضمیری مضمر ہے۔

تمیز خار و گل سے آشکارا
نسیم صبح کی روشن ضمیری

☆☆☆

تاریخ ردقادیانیت اور خدمات اہل حدیث کے سلسلہ میں معلومات کا خزانہ

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے قلم سے

تحریک ختم نبوت (1 تا 25 جلدیں)

تاریخ اہل حدیث (1 تا 9 جلدیں)

مکتبہ ترجمان کی مطبوعات پر 50% کی رعایت، مدارس، جامعات، مکتبات اور تاجران کتب درج ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔110006

فون:011-23273407، فیکس:011-23246613

مولانا خورشید عالم مدنی، پٹنہ

عاملِ قرآن بنیں

قرآن کریم آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی، سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے، یہ انسانوں کے نام اللہ کا آخری پیغام ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی فصاحت بے مثل تو بلاغت عدیم النظیر ہے، جس کا انداز بیان پُر شوکت تو طرز کلام پُر عظمت ہے، یہ ایسی کتاب ہے جس نے زمانے کے بڑے بڑے سنگ دلوں سورماؤں کو رب کائنات کی چوکھٹ پر جھک جانے پر مجبور کر دیا، یہ وہ شاہ کلید ہے جس سے دلوں کے تالے کھلتے ہیں، یہ قرآن علوم ومعارف کا گنجینہ، مواعظ ونصائح کا خزینہ ہے، اس قرآن میں عقائد بھی ہیں اور عبادات بھی۔ معاملات کے تذکرے بھی ہیں اور اخلاق وآداب بھی، اس قرآن میں حقوق اللہ کی وضاحت بھی ہے اور حقوق العباد کا بیان بھی۔ اس قرآن میں انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے بھی ہیں اور ان انبیاء ورسل علیہم السلام کے جھٹلانے والوں کی داستان المناک بھی۔

انسانی دلوں میں انقلاب برپا کرنے والی یہ کتاب بے شمار خصوصیات کی حامل ہے۔ یہ کتاب ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عظیم معجزہ ہے۔ یہ گذشتہ آسمانی کتابوں کی نگراں، ان کی تصدیق کرنے والی اور تمام کتابوں کی ناسخ ہے، یہ سارے عالم کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گی اور زمان ومکان کی تبدیلی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ''بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لئے آگاہ کرنے والا بن جائے۔'' (الفرقان: ۱) اللہ نے اس کتاب کے ذریعے دنیا کے تمام فصحاء کو چیلنج کر دیا مگر وہ ایسی کتاب نہیں لا سکے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ''کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔'' (الاسراء: ۸۸)

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ سے بندوں کے تعلقات کو جوڑتی اور اسے مضبوط بناتی ہے، اگر آپ اس کتاب سے جڑے نہیں ہیں تو یقین مانیں اللہ سے آپ کا رشتہ کمزور ہے اور آپ ہلاکت وتباہی کی راہ پر جا رہے ہیں۔

اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنی کسی مخلوق کے حوالے نہیں کیا، کسی ادارہ، تنظیم اور سربراہ حکومت کو نہیں دی بلکہ خود اس کی ذمہ داری لی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹)

یہ وہ قرآن ہے کہ جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا، قریبی رشتے دار بھاگیں گے یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه کا منظر ہوگا، کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ دوستی کام نہیں آئے گی، اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اس دن یہ قرآن سفارشی بن کر کھڑا ہوگا۔ فرمان نبوی ہے۔ اقرؤا القرآن فانه یاتی یوم القیامة شفیعا لأصحابه (مسلم) قرآن پڑھو! یہ قیامت کے دن صاحب قرآن کی شفاعت کرے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے جیل میں ۸۰ بار قرآن ختم کیا اور جب ۸۱ ویں بار پڑھنا شروع کیا اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے تو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر: ۵۴-۵۵) (العقود الدریة ابن عبدالهادی الحنبلی ۴۷۲)

یہ وہ قرآن ہے جس کی روشنی سے ہم اپنی شام زندگی کو صبح زندگی میں بدل سکتے ہیں، اپنے مشکلات ومسائل کو حل کر سکتے ہیں اور ترقی وکامیابی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اسے جلائے رکھیں، سینے سے لگائے رکھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قرآن کے ''نور'' ہونے کا بارہا تذکرہ کیا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ''یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آچکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی بکثرت ایسی باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔'' (المائدہ: ۱۵-۱۶)

اللہ تعالیٰ نور ہے۔ اللہ نور السماوات والارض (نور-۳۵) قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام سورہ النور ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی اعتبار سے بشر اور صفاتی لحاظ سے نور تھے، قرآن نے انہیں سراج منیر کہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن

کریم کو جس مقصد کی خاطر نازل کیا ہے وہ اخراج الناس من الظلمات الی النور یعنی بنی نوع انسان کو تاریکیوں سے روشنی میں لانا ہے۔ الٓر ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ''الٓر۔ یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں، ان کے پروردگار کے حکم سے، زبردست تعریفوں والے اللہ کی طرف''(ابراھیم:۱)

اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمان جب تک قرآن کو سینے سے لگائے رکھے، اس سے روشنی حاصل کرتے رہے، اپنی زندگی میں اسے نافذ کیا، اس پر عمل پیرا رہے۔ اس وقت تک انہوں نے اقوام عالم کی امامت وقیادت کی، کامیابی نے ان کے قدم چومے، عزت وعظمت نے انہیں اپنے آغوش میں لیا۔

لیکن جب ان کا رشتہ قرآن سے کمزور ہوگیا اور وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو ان کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور دوسری قومیں ان پر چڑھ گئیں، امت مسلمہ کے عروج وزوال کی اس تاریخ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے، ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به آخرين (مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور کچھ قوموں کو پستی میں ڈھکیل دیتا ہے۔

صحابۂ کرام اس کائنات کی حسین مسکراہٹ اور تاریخ انسانی کی عجیب وغریب جماعت تھی، ان کی زندگی میں انقلاب اس وقت پیدا ہوا، زندگی کی کایا پلٹ گئی جب اللہ کے نبی قرآن لے کر آئے اور اس قرآن نے اپنے آغوش میں ان کی تربیت کی، وہ قرآن سے وابستہ ہوئے اور اسے اپنے دل سے لگالیا۔ حیران کی آنکھیں کھل گئیں اور ان آنکھوں میں خشیت الٰہی کے آنسو تیرنے لگے۔ وہ اپنے سینے میں قرآن کو سجایا اور نکل پڑے، دنیا کے معلم بن گئے اور انہیں عدل ومساوات، تقوی وطہارت، تکریم انسانیت کا درس دینے لگے، اور اس محبت قرآن وتلاوت قرآن نے انہیں فاتح زمانہ بنادیا۔ جیسا کہ قائد لشکر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ میں ہونے والی حیرت انگیز کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر المومنین عمر فاروقؓ سے فرمایا کہ یہ ہمارے لشکر کی تلاوت قرآن کی برکت تھی کہ انہوں نے اس جنگ میں شجاعت وبہادری کے جوہر دکھلائے اور فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

یاد رکھیں۔ قرآن کریم کلام الٰہی ہے، اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ اللہ اگر ہمیں کوئی نعمت نہیں دے صرف محبت قرآن عطا کردے تو یہ سب نعمتوں پر بھاری ہے، دنیا کے کسی مذہب والے کو ایسی نعمت نہیں ملی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج مسلمان اس نعمت کی جتنی ناقدری کرتے ہیں دنیا والے اپنی مذہبی کتابوں کی نہیں کرتے، بہت سارے مسلم گھرانے ایسے ہیں جہاں سے تلاوت قرآن کی آواز سنائی نہیں دیتی، بہت سارے مسلمان ایسے ہیں جو اپنی پوری زندگی میں اس کی تلاوت نہیں کرتے، جس کا بھیانک انجام میرے سامنے ہے کہ آج مسلمان مختلف پریشانیوں کے شکار اور بڑے بے چین ہیں وہ سکون قلب کے متلاشی ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن سے دور ہیں، قلب انسانی کا قرآن کریم سے گہرا ربط ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کیا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ''اور بے شک وشبہ یہ (قرآن) اللہ رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے دل پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کردینے والوں میں سے ہوجائیں۔ صاف صاف عربی زبان میں ہے۔''(الشعراء ۱۹۲-۱۹۳)

قلبی اضطراب وعدم سکون واطمینان کے علاوہ ہمارے دلوں سے اللہ کی خشیت ختم ہوچکی ہے، ہم نڈر ہوچکے ہیں اور اس لئے ہماری زندگی طرح طرح کے اندیشوں میں اور خوف کے سائے میں گذر رہی ہے، ظاہری بات ہے جب ہم اللہ سے نہیں ڈریں گے تو غیر اللہ کا خوف ہمیں ستائے گا۔

اس لئے اگر ہم قلبی سکون چاہتے ہیں اور دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو قرآن کریم سے وابستہ ہوجائیں اور اس کے سائے میں زندگی گذارنے کی ادا سیکھیں، انسانی قلوب پر اس کے گہرے اثرات پڑتے ہیں، یہ دلوں میں سکون وشانتی اور خشیت الٰہی پیدا کرنے والی غیر معمولی کتاب ہے، قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اس کی افادیت کے تذکرے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ''جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور بہترین ٹھکانا۔''(الرعد: ۲۸)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں۔ آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہوجاتے ہیں۔''(الزمر: ۲۳)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے وہ پست ہوکر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''(الحشر: ۲۱)

(بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

علم شرعی کی اہمیت وفضیلت

مولانا نورالاسلام شفیع المدنی

اللہ تعالی نے انسانوں پر بہت سے احسانات کیے ہیں اورانہیں طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جن میں ایسی نعمتیں بھی ہیں جو بندہ کواس کے رب سے قریب کرنے والی،اس کا محبوب ومقرب بنانے والی،انسانیت کی تکمیل کرنے والی، اس کو جمال وکمال عطا کرنے والی۔شہرت و دولت اورعزت ومرتبت سے ہمکنار کرنے والی،اور دنیاوآخرت کی فلاح وکامرانی سے شادکام کرنے والی نعمتیں ہیں،اور ان نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت اور سب سے وقیع ثروت ''علم'' ہے۔پوری دنیائے انسانیت کے نزدیک یہ ایک انمول دولت ہے،اورکسی انسان کے حصہ میں آنے والا سب سے قیمتی اثاثہ اورسرمایہ ہے۔دنیا میں شاید کوئی انسان ہوجس کواس کی قدر وقیمت پر کلام ہو۔ایک جاہل وگنوار بھی اس کے فضل ومقام اوراس کی اہمیت و افادیت کا منکر نہیں ہوسکتا ہے۔اس لیے کہ یہ علم انسان کوتاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔بےعملی سےعمل کی طرف۔مایوسی سے امید کی طرف۔کفر سے اسلام کی طرف۔شکوک وشبہات سے ایمان وایقان کی طرف۔ذلت وپستی سے ترقی وعروج کی طرف۔فقر وفاقہ سے دولت وغنا کی طرف اور گمنامی وبدنامی سے شہرت ونیک نامی کی طرف لاتا ہے۔

لفظ علم مصدر ہے اور مادہ (ع ل م) ہے۔جوایسے اثر وعلامت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ آدمی دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔یہ جہل کا برعکس لفظ ہے۔ابن منظور نے کہا ہے:''**العلم نقیض الجهل**''[لسان العرب:۵/۳۰۸۳]۔

اور اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے جرجانی نے کہا ہے:''**العلم هو الاعتقاد الجازم المطابق للواقع**''یعنی:علم وہ اعتقاد جازم ہے جوواقع کے مطابق ہو۔[التعریفات:۱۹۱]۔

اوراگر ہم علم شرعی کی تعریف کرنا چاہیں تو یوں کرسکتے ہیں کہ علم قرآن وسنت اوران سے ماخوذ ومستفاد مسائل واحکام کواوران کو جاننے اور سمجھنے میں معاون علوم و معارف کو کہتے ہیں۔

علم چاہے دینی وشرعی ہو یا عصری ہو وہ اگر نافع ہے تو اسلام اس کے حصول کی ترغیب دیتا ہے اوراس پراجر وثواب مرتب کرتا ہے،کسی علم کا انکار یا اس کی تنقیص و تحقیر نہیں کرتا،لیکن اسلام کے نزدیک علم شرعی کا مقام ہی کچھ اور ہے،اورعلماء کی اس کے نزدیک جوقدر ومنزلت ہے وہ کسی اورعلم والے کے مقدر میں نہیں ہے۔اورنہ کوئی عصری علم کا حامل شخص اس مقام ومرتبت تک رسائی حاصل کرسکتا ہے،بلکہ خیال وگمان میں بھی اس منزلت عالیہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ذیل کے سطور میں علم شرعی کی فضیلت و مرتبت اورعلماء دین کے مقام ومنزلت کو بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔اوراس بیان کی ضرورت اس لیے شدید ہے کیونکہ نسل نو کے مسلم بچے دینی تعلیم سے دور ہوتے جارہے ہیں،شرعی علوم میں ان کی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔جواس میدان میں دکھائی دےرہے ہیں وہ بس کسی طرح اس میں آگئے ہیں یا ڈال دیے گئے ہیں،وہ اس علم کی حقیقی عظمت وفضیلت سے نا آشنا ہیں۔اور ہر دم یہ سوچتے رہتے ہیں کہ شاید اس میدان کومنتخب کرکے انہوں نے غلطی کی ہے۔یا ان کے والدین نے مدارس کے حوالے کرکے اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے یا بے اعتنائی سے کام لیا ہے۔بلکہ نوبت یہاں تک آپہونچی ہے کہ بعض طلبہ دینی تعلیم کو بنظر حقارت دیکھنے لگے ہیں اوراس کے حصول کو باعث شرم وعار سمجھتے ہیں۔اس لیے اب طلبۂ مدارس وجامعات اپنی پرانی شکل وصورت اور اپنے متوارث لباس و پوشاک کے بجائے نئے تراش و خراش والے کپڑے اور ماڈرن ملبوسات زیب تن کررہے ہیں اوراس کے ذریعہ یہ جتانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی مدرسہ اور جامعہ کے طالب علم ہونے کے بجائے کالج یا یونیورسٹی کے طالب علم ہیں۔اورانہوں نے اپنے مدارس وجامعات کا مخفف انگریزی نام بھی مقرر کررکھا ہے اور مخفف اس لیے تاکہ یہ ظاہر نہ ہوسکے کہ وہ دینی تعلیم کا ادارہ ہے یا عصری علوم کا گہوارہ ہے اور جب کوئی ان سے یہ پوچھتا ہے کہ کس درجہ میں پڑھتے ہیں تو وہ لاحق عار وشرم کی بنا پر عالمیت وفضیلت کہنے کے بجائے اس کے متبادل انگریزی اصطلاحات (بی اے۔اورایم اے) وغیرہ کہتے ہیں۔ادھر عام مسلم عوام بھی اس علم کو کچھ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں،کوئی مجبوری ہی ہوتی ہے یا پھر غایت درجہ کی دینداری کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسہ میں پڑھانے پر راضی ہوتے ہیں ورنہ عام مسلمانوں کو مادیت کی چکاچوندھ نے اندھا بنا کررکھ دیا ہے۔آج کے سماج ومعاشرہ میں فارغین مدارس کھوٹا سکا بن گئے ہیں جن کی زمانے کے بازار میں کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔کوئی کتنا بھی قابل خوبرو اورصالح نوجوان ہواس کے ساتھ اونچی فیملی اوراعلی گھرانوں کے لوگ اپنی بچی بیاہنے میں عار محسوس کرتے ہیں، لیکن عصری تعلیم سے وابستہ بدقماش وبداخلاق اور دین بےزار لڑکے انہیں پہلی نظر میں پسند آجاتے ہیں،اوران سے اپنی بہن بیٹیوں کی شادی کرنے میں انہیں فخر کا احساس ہوتا ہے،اوراس کا اطمینان ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ رشتہ قائم کرنے سے ان کی بچی کی زندگی پرمسرت وپربہار ہوجائے گی،اورازدواجی زندگی کے طویل سفر میں اسے قلت زادراہ کا کبھی کوئی شکوہ نہیں رہے گا،اوراگر معمولی تنخواہوں پر چوبیس گھنٹہ کی نوکری کرنے والے فضلائے مدارس اورصبر وقناعت کا سبق پڑھنے اور پڑھانے والے

علمائے دین کے ساتھ ان کی شادی ہوتی ہے تو وہ ان شریف زادیوں کے مسرفانہ اخراجات کا بوجھ کیونکر برداشت کر پائیں گے اور ان کے احتیاجات وخواہشات کی تکمیل کیسے ممکن ہو پائے گی، بلکہ ان کی زندگی قلق واضطراب اور بے کلی و بے چینی کی مجسم تصویر بن جائے گی۔ گزشتہ چند دہائیوں سے فضلائے مدارس اور فارغین جامعات کے ساتھ اہلِ زمانہ کے اس ناروا سلوک اور عامیانہ ومتاسفانہ طرز عمل کی بنا پر مسلم طلبہ فراغت کے بعد دعوتِ دین اور تعلیم وتدریس سے اس طرح پلہ جھاڑ لیتے ہیں جیسے کہ برسہا برس سے ان کی دعوتِ دین اور تعلیم شریعت سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ اور ان کو فراغت کے بعد اس ازلی دشمن سے پیچھا چھڑانے کا موقع مل گیا ہے لہذا اب ان کا اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق باقی نہیں رہنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال مسلم طلبہ کی کثیر تعداد مدارس وجامعات سے فارغ ہوتی ہے پھر بھی منبر ومحراب خالی ہیں اور مدارس میں بقدر کفاف بھی اساتذہ دستیاب نہیں ہیں۔ ان مسائل ومشاکل کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں جن میں سرفہرست اس علم کی اہمیت ومنقبت سے عدم واقفیت ہے، اور یہ مقالہ اس کی اہمیت وفضیلت کو بیان کرے گا اور علمائے دین کے مقام ومرتبہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کرے گا۔

علم شرعی کی فضیلت: ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے: علم سامانِ ہدایت ہے۔ انبیاء کرام کا ترکہ اور ان کی میراث ہے۔ حاملینِ علم انبیاء کے ورثہ اور عصبہ ہیں۔ وہ آنکھوں کا نور، دلوں کا سرور، شفائے صدور، ریاض عقول اور لذتِ ارواح ہے۔ یہی وہ میزان ہے جس سے اقوال، اعمال اور احوال کو تولا جاتا ہے۔ شک ویقین کے درمیان، صحیح وغلط کے درمیان، اور ہدایت وضلالت کے درمیان بھٹکنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ کو پہچانا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی کی بنیاد پر اس کا ذکر اور وِرد ہوتا ہے اور اس کی وحدانیت کے نغمے گائے جاتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ شرائع واحکام کو جانا جاتا ہے اور حلال وحرام کو پہچانا جاتا ہے۔ علم امام ہے اور عمل مقتدی ہے۔ علم قائد ہے اور عمل اس کا تابع ہے۔ یہ غربت کا ساتھی ہے۔ خلوت کا مصاحب ہے۔ وحشت کا غمخوار ہے۔ اور وہ دولت ہے جس کی کنجی ہاتھ آجائے تو فقر بہت دور چلا جاتا ہے۔ علم وہ ہے جس کا پڑھنا پڑھانا صیام وقیام کے مساوی ہے اور جس کی حاجت طعام وشراب سے بڑھ کر ہے۔ [دیکھئے: مدارج السالکین، ابن القیم (۴۶۹/۲۔۴۷۰) باختصار وتصرف]

علم وہ جوہر ہے جس نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت دلوایا، فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا، اور خلافتِ ارضی کا ان کو مستحق بنایا۔ یہ ایسی گراں مایہ دولت اور ایسی عظیم وجلیل صفت ہے کہ اللہ تعالی نے خود اپنی ذاتِ اقدس کو اس صفتِ عالیہ سے سیکڑوں آیتوں کے اندر متصف کیا ہے۔ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ ہو جس میں اللہ تعالی کی اس صفتِ مبارکہ کا ذکر نہیں پایا جاتا ہو، جیسے کہ اللہ تعالی کا یہ قول: ﴿وَسِعَ رَبِّی كُلَّ شَئيٍ عِلمًا﴾ [الأنعام: ۸۰] اور اس کا یہ قول: ﴿وَسِعَ رَبَّنَا كُلَّ شَیءٍ عِلمًا﴾ [الأعراف:]۔

اسی طرح بے شمار آیتوں کے اندر اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دولتِ علم سے نوازے جانے کا ذکر فرمایا ہے، بلکہ سلسلۂ وحی کے آغاز میں ہی میں آپ کو ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ﴾ [العلق: ۱] کے ذریعہ پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر آپ کو دولت وثروت اور حکومت وبادشاہت مانگنے کے بجائے رب تعالی سے علم مانگنے کا حکم فرمایا: ﴿وَ قُل رَّبِّ زِدْنِی عِلْماً﴾ [طہ: ۱۱۴] اور جب علم کا ایک بڑا حصہ آپ کے قلبِ اطہر میں جمع ہوگیا تو تعلم کے ساتھ آپ کو تعلیم کی ذمہ داری دی گئی۔ ﴿يَتلُوا عَلَيكُم آيَاتِنَا وَ يُزَكِّيكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَا لَم تَكُونُوا تَعلَمُونَ﴾ [البقرۃ: ۱۵۱]

علم کا درجہ اور اس کا مقام دیکھیں کہ اللہ تعالی نے اس نعمت سے اپنے خاص بندوں کو نوازا اور اپنے مقربین کو اس سے وافر حصہ عطا فرمایا، پھر اپنی مقدس کتاب میں اس کا ذکر کر کے اس بات کو طالبان علوم شریعت کے اوپر واضح فرما دیا کہ انبیاء کے بعد علماء ہی ان کے وارث اور سچے جانشیں ہیں، اور جس طرح اس نے اپنے انبیاء کو گوہر علم سے سرفراز کیا تھا اسی طرح وہ اپنے مخصوص بندوں اور اپنے مقربین کو بھی دولتِ علم سے نوازتا ہے۔ اپنے پہلے نبی آدم علیہ السلام کو نعمتِ علم سے سرفراز کیے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَ عَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [البقرۃ: ۳۱] اور یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَ لَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَينَاهُ حُكْمًا وَ عِلْمًا﴾ [یوسف: ۲۲]۔ لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَ لُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَ عِلْمًا﴾ [الأنبیاء: ۷۴]۔ داود وسلیمان علیہما السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ آتَينَا دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ عِلْمًا﴾ [النمل: ۱۵]۔ اور سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿آتَينَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾ [الکھف: ۶۵]۔ اور موسی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَ لَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَى آتَينَاهُ حُكْمًا وَ عِلْمًا﴾ [القصص: ۱۴]۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کی طرف سے علم دیے جانے کا ذکر کئی آیتوں میں آیا ہے، جیسے اللہ تعالی کا یہ قول: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِی جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [البقرۃ: ۱۲۰] اور یہ آیت: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَائَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [البقرۃ: ۱۴۵]۔

یہ بزرگ ہستیاں ہیں اور اللہ تعالی کے چنندہ بندے اور اس کے مقربین ہیں جنہیں اللہ تعالی نے علم کی نعمتِ عظیمہ سے سرفراز کیا۔ اور اس کے سبب ان کے درجات کو بلند کیا۔ اسی طرح اللہ تعالی علم شرعی کے حامل علماء کے مقام ومرتبہ کو بلند کرتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں انبیاء کے سچے جانشیں ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "انَّمَا العُلَمَاءُ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَالأَنْبِيَاءُ لَم يُوَرِّثُوا دِيناراً و لا درهماً اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ" [شیخ البانی نے صحیح کہا ہے، صحیح سنن ابی داود ۶۹۴/۲، رقم: ۳۰۹۶] اور واقعی جب یہ نعمت کسی انسان کو مل جاتی ہے تو اس کا قد حد درجہ بڑھ جاتا ہے اور اس کی بلندیاں آسمان کو چھونے لگتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾

[المجادلۃ: ۱۱] یعنی اللہ تعالی ایمان والوں اور علم والوں کے درجات کو بلند کرتا ہے۔
ایک جگہ ارشاد باری تعالی ہے: (نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَ فَوقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ) [یوسف:۷۶] ہم جس کے درجات کو چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں اور ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہے۔

علم شرعی کو اللہ تعالی نے اتنا بڑا مقام دیا ہے کہ صاحب علم کے مرجانے کے بعد بھی اس کا اجر وثواب جاری رہتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، سوائے تین اعمال کے جن کا ثواب جاری رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ کا ثواب۔ علم نافع کا ثواب۔ اور نیک لڑکا جو والدین کے گزرنے کے بعد ان کے حق میں دعا کرے [صحیح مسلم:۱۶۳۱]۔

علم شرعی کا مقام ملاحظہ کیجیے کہ چند آیتوں کی تعلیم کے عوض ایک عورت کی عصمت ایک مفلوک الحال شخص کے حوالے کردیا جاتا ہے اور نبی ﷺ کی طرف سے فرمایا جاتا ہے: ''قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ القُرآنِ'' جاؤ میں نے قرآنی آیتوں کی تعلیم کے عوض اس عورت کے ساتھ تمہاری شادی کرادی۔ [البخاری: (۵۰۳۰)، ومسلم: (۱۴۲۵)]

دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کا کتنا بڑا مقام ہے اور اللہ تعالی کے نزدیک ان کی کیا قدر وحیثیت ہے اس کی صحیح عکاسی اس حدیث نبوی سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب کوئی قوم اللہ کے کسی گھر میں جمع ہوکر قرآن کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں پڑھتی اور پڑھاتی ہے تو اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالی ان کا ذکر اپنے فرشتوں کے پاس کرتا ہے۔ [مسلم:۲۶۹۹]۔ اللہ کی قسم! دنیا میں کسی نے ایسا ایوارڈ اور ایسا اعزاز نہیں دیکھا ہوگا۔ اور نہ کسی مسلمان کے لیے اس مقام سے بڑھ کر کوئی مقام اور اس خوش نصیبی سے بڑھ کر کوئی خوش نصیبی ہوسکتی ہے۔ علوم وفنون بہت ہیں مگر علم شرعی کا جمال و کمال اور اس کے فیوض و برکات دیکھئے کہ وہ صاحب علم کو کن کن بلندیوں تک لے جاتا ہے اور اس کو کیسے کیسے اعزازات وانعامات دلواتا ہے؟۔

آج لوگ ان علوم کو افضل گردانتے ہیں اور ان کو پڑھنے اور پڑھانے کی باتیں کرتے ہیں جن سے زیادہ پیسے حاصل ہوسکیں۔ یعنی اصل پیسوں کا حصول اور مادی منفعت ہے۔ دینی، اخلاقی، اخروی اور روحانی فائدوں کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم شرعی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: علم بہر حال مال سے بہتر ہے اس لیے کہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے جب کہ تم مال کی حفاظت کرتے ہو۔ علم حاکم ہوتا ہے جب کہ مال محکوم ہوتا ہے۔ نیز مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے جب کہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے [احیاء علوم الدین (۱/۱۷)]

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے: علم طلب کرنا نفلی نماز پڑھنے سے بہتر ہے [مدارج السالکین، ابن القیم (۲/۴۷۰)]۔ اور امام احمد کا قول ہے: لوگ کھانے پینے سے زیادہ علم کے محتاج ہیں اس لیے کہ کھانے پینے کی ضرورت دن میں ایک یا دوبار ہوتی ہے جب کہ علم کی ضرورت سانسوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ [مدارج السالکین (۲/۴۷۰)]۔ اور بعض سلف کا قول ہے: ''اطْلبُوا العِلْمَ مِنَ الْمَهدِ اِلَى اللَّحدِ''، یعنی گود سے لے کر گور (قبر) تک علم حاصل کرتے رہو۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے اس وقت پوچھا گیا جب وہ بوڑھے ہوچکے تھے کہ آپ ''محبرہ'' یعنی قلم و دوات کے ساتھ کب تک چپکے رہیں گے؟ انہوں نے اس کا جواب دیا: ''مع المحبرة الى المقبرة''، یعنی: قلم ودوات کا ساتھ قبر تک رہے گا۔ اور ایک حدیث میں علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''فَضلُ العِلمِ أَحبُّ اِلَيَّ مِن فَضلِ العِبادَةِ''، یعنی علم کی فضیلت میرے نزدیک عبادت کی فضیلت سے زیادہ محبوب ہے [شیخ البانی نے (صحیح لغیرہ) کہا ہے، صحیح الترغیب والترھیب: (۶۸)]۔ یہ علم شرعی کی فضیلت و منقبت ہی پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے ضروری بنیادی باتوں جیسے کہ عقائد وضروری احکام اور حلال وحرام کے علم کو ہر مرد وعورت پر فرض قرار دے دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''طَلبُ العلمِ فَريضةٌ عَلَى كُلِّ مُسلمٍ''، یعنی دین سے متعلق بنیادی اور ضروری باتوں کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے [ابن ماجہ وغیرہ، اور دیکھئے: صحیح الترغیب والترھیب: (۷۲)]۔ یہ ہے علم شرعی کی قدر ومنزلت اور اس کا مقام ومرتبہ جس کی بلندی تک دیگر علوم کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے یہ علم صاحب علم کو وہ عظمت ورفعت اور وہ عروج وکمال عطا کرتا ہے جو کبھی بھی ایک ڈاکٹر یا انجینئر یا کسی ادیب یا پروفیسر وغیرہ کی قسمت میں نہیں آسکتا۔ آئیے دیکھیں کہ اللہ تعالی نے علم شرعی کے حامل علمائے دین کو کیسا مقام ومرتبہ اور کیسی بلندی ومرتبت عطا کیا ہے۔

علمائے دین کا مقام ومرتبہ: اہل علم اور علمائے دین کا مقام دیکھنا ہے تو ائمہ اسلام کو دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالی نے ان کے درجات کو بلند کیا، امت میں ان کو کیسا مقام عطا کیا، زمین میں ان کو کیسی عزت وعظمت، فضیلت ومرتبت اور جاہ وحشمت عطا کیا کہ کسی بھی فرد بشر کی اس تک رسائی نہیں ہوسکی، یہ امام ابوحنیفہ ہیں، امام مالک و شافعی ہیں، احمد بن حنبل ہیں، امام بخاری ومسلم، ابوداود وترمذی ہیں، زہری واوزاعی ہیں، یحی بن معین اور ابن قطان رحمہم اللہ ہیں اور ان کے علاوہ بے شمار ائمہ کرام اور علمائے اسلام ہیں جن کو علم شرعی نے ''امام'' کا لقب دلوایا۔ لوگوں کے دلوں میں قیامت تک کے لیے ان کی محبت ڈال دی گئی۔ لوگ صبح قیامت تک ان کو اپنا امام اور پیشوا مانتے رہیں گے۔ ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید ابن القیمؒ کو دیکھو کہ ان سے آج بھی ہم بے پناہ محبت کرتے ہیں، ان کا نام آنے کے ساتھ ہی ہمارے دلوں میں محبت وعقیدت کے پھول کھل اٹھتے ہیں، ان کے ذکر جمیل سے دلوں کی دنیا شاد وآباد ہوجاتی ہے، اور ان کے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ آج کے لوگ ان سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ ان ائمہ کی وفات پر سالہا سال بیت گئے مگر وہ آج بھی اپنے عمل وکردار کے ساتھ ہمارے درمیان موجود ہوتے ہیں۔ ان سے محبت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ دنیا ان کی زندگی میں بھی ان سے محبت کرتی تھی اور مرنے کے بعد

بھی ان سے محبت دلوں میں قائم ودائم ہے۔ بلکہ محبین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور یہ سلسلہ روز قیامت تک جاری رہے گا۔ کیا وہ لوگ کسی سلطنت کے بادشاہ تھے؟ کیا کرسی واقتدار والے تھے؟ کیا وہ کسی یونیورسٹی اور کالج کے پروفیسر تھے، یا ڈاکٹر اور انجینئر تھے یا ارب پتی وکھرب پتی تھے؟ ان میں سے کچھ نہیں تھے بلکہ وہ علم شرعی کے حامل علمائے دین تھے، قرآن وسنت کے بےلوث خدام تھے۔ علم شرعی کے پراگندہ گیسوؤں کو سنوارنے والے تھے۔ اسی علم نے ان کو وہ مقام ومرتبہ عطا کیا جس تک بڑے بڑے شاہانِ عالم کی رسائی نہیں ہوسکی، جس کا امراء وخلفاء خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ خلفائے بنو امیہ کے مروان ہوں یا ولید، خلفائے عباسیہ کے ہارون رشید ہوں یا مامون ومعتصم، یا شاہانِ ہند میں سے کوئی شہنشاہ ہو، کیا دنیا ان کا اسی عقیدت واحترام کے ساتھ نام لیتی ہے جس طرح امام احمدؒ کا نام لیتی ہے؟ کیا لوگ ان کے اسی طرح مداح ہیں جس طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ ومالکؒ کے ہیں؟ اس دنیا میں بڑے بڑے اطباء اور حکماء آئے، بڑے بڑے سائنس داں پیدا ہوئے، بڑے بڑے پروفیسران اور ماہرین علوم وفنون پائے گئے۔ کیا ان میں سے کسی کو وہ مقام مل سکا جو ان علماء وائمہ کے نصیب میں آیا؟

نہایت افسوس کی بات ہے کہ ان حقائق کے باوجود لوگ علم شرعی کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں، علماء کی ناقدری حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ عوام وخواص سب کی طرف سے اور ہر سطح پر اس طبقے کا استحصال کیا جارہا ہے۔ جب کہ ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اللہ تعالی نے اثباتِ وحدانیت اور اقرار الوہیت کے پس منظر میں اپنے اور فرشتوں کے ذکر کے ساتھ علم والے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ارشاد عالی مقام ہے: (شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ)[آل عمران:۱۸]۔

آج جہلاء کی چاندی کٹ رہی ہے۔ اہل حرفت وصنعت کے لیے دنیا وسیع تر ہے اور وسائل عیش وعشرت کی بہتات ہے۔ لیکن علماء مجبور ومظلوم ہیں۔ ان کی لازمی وبنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہو پارہی ہیں۔ ان کے بچے اعلی تعلیم کی سہولیات سے محروم ہیں۔ بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی خواہشات اور تمنائیں بھی پوری نہیں ہو پاتی ہیں۔ حالات کی ستم ظریفی ہی ہے کہ ان پڑھ وجاہل لوگ داد عیش دے رہے ہیں اور علماء کے لیے دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ ہے، جب کہ عرش والے کا اعلان ہے کہ ایک عالم اور ایک جاہل برابر نہیں ہوسکتے: (قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ)[الزمر:۹] یعنی: لوگوں سے پوچھئے کہ کیا وہ لوگ جو علم والے ہیں اور جو علم والے نہیں ہیں وہ برابر ہوسکتے ہیں؟ اور یہی وہ طبقہ ہے جو دیانت دار، دیندار اور تقوی شعار ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ)[فاطر:۲۸] یعنی: اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والے اور اس کے حدود وقیود کا پاس ولحاظ کرنے والے علماء ہی ہیں۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ’’يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ‘‘ یعنی: اے لوگو! علم تعلم سے اور فقہ تفقہ سے حاصل ہوتا ہے، اور اللہ تعالی جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ (علم دین) عطا کرتا ہے، اور اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں۔ [شیخ البانیؒ نے (حسن لغیرہ) کہا ہے، صحیح الترغیب والترھیب: (۶۷)]

اور نبی ﷺ نے قرآن پڑھنے پڑھانے والے کو سب سے بہتر انسان قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ’’خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ‘‘[البخاری:۵۰۲۷]۔

عالم دین کے مقام ومرتبہ کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کیونکہ اس کی شان نہایت عالی اور نرالی ہے۔ اس کے لئے کائنات کا ذرہ ذرہ دعا گو ہوتا ہے، ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جن میں سے ایک عابد اور دوسرا عالم تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ایک ادنی آدمی پر۔ پھر آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں، حتی کہ چیونٹی اپنے بل میں، اور حتی کہ مچھلیاں دعائے خیر کرتی ہیں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے معلم واستاد کے حق میں۔ [ترمذی نے روایت کیا ہے اور ’’حدیث حسن صحیح‘‘ کہا ہے، شیخ البانیؒ نے (حسن لغیرہ) کہا ہے، صحیح الترغیب والترھیب: (۸۱)]۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے قرآن وسنت کا علم سیکھنے اور سکھانے کے عمل کو مکمل حج جیسا عمل قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ’’مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حَجَّتُهُ‘‘ یعنی: جو شخص مسجد اس لیے جاتا ہے تاکہ خیر کی بات سیکھے یا سکھائے تو اس کو مکمل حج والے حاجی کا ثواب ملتا ہے۔ [حسن صحیح: دیکھئے: صحیح الترغیب والترھیب، (۸۶)] اور ایک حدیث کے اندر نبی ﷺ نے اس شخص کو اپنی امت سے خارج قرار دیا ہے جو علماء کی عزت نہیں کرتا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا‘‘ یعنی: وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، اور ہمارے چھوٹوں پر رحمت وشفقت نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر کو نہ پہچانے [احمد، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے، اور شیخ البانیؒ نے (حسن) کہا ہے، صحیح الترغیب والترھیب (۱۰۱)]۔

اور جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عالم کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو فراموش کردیتا ہے اس چراغ کی ہے جو خود کو جلا کر لوگوں کو روشنی فراہم کرتا ہے۔ [شیخ البانی نے خطیب بغدادی کی کتاب (العلم والعمل) میں اس کو صحیح کہا ہے]

وہ اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب پر حقیقی ایمان والے اہل علم ہی ہیں: (وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا)[آل عمران:۷] اور راسخ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تمام محکم اور متشابہ آیتوں پر ایمان

لے آئے، وہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔اور ایک آیت میں ہے:(لَـكِـنِ الـرَّاسِخُونَ فِي العِلْمِ مِنْهُمْ وَالمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ اِلَيكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ)[النساء:۱۶۲] لیکن ان میں سے راسخ علم والے اور مؤمنین ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی۔

ایک آیت میں اہل علم کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالی یہ بیان فرمارہا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنی ٹھڈیوں اور سروں کے بل سربسجود ہوجاتے ہیں، اللہ کی عظمت و پاکی بیان کرتے ہیں، اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں، اور قرآن کریم میں مذکور وعظ و نصیحت سن کر شدت تاثیر سے سجدے میں گر کر روتے ہیں اور اللہ کے لیے ان کی عاجزی وانکساری میں اضافہ ہوجاتا ہے۔اس کا ارشاد ہے:(اِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا العِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ اِذَا يُتْلَى عَلَيهِمْ يَخِرُّونَ لِلأَذْقَانِ سُجَّدًا ٭ وَ يَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَـانَ وَعْـدُ رَبِّـنَـا لَـمَـفْـعُـولًا ٭ وَيَـخِرُّونَ لِلأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا [الاسراء:۱۰۷-۱۰۹]۔

علم والوں کے نزدیک دنیا اور اس کے اسباب ومنافع کچھ حقیقت نہیں رکھتے بلکہ ان کی نگاہ میں اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی اور اس کا اجر وثواب چھایا ہوا ہوتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(وَ قَـالَ الَّـذِيـنَ أُوتُـوا العِلْمَ وَيلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيرٌ لِـمَـنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً)[القصص ۸۰] علم والے (قارون کی قوم کو) سمجھانے لگے کہ تم لوگ قارون کے خزانے کو حسرت کی نگاہ سے نہ دیکھو، بلکہ بہتر چیز وہ ہے جو تم کو بطور اجر اللہ تعالی کی طرف سے ملے گا۔

علم یقین والے علماء جنت وجہنم پر پورا پورا ایمان ویقین رکھتے ہیں اور انہیں یقین کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:(كَلَّا لَـوْ تَـعْـلَـمُـونَ عِـلْـمَ الْـيَـقِـيـنِ ٭ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ [التکاثر:۵-۶] اور جن لوگوں کے پاس علم نہیں ہوتا وہ ظن ووہم کی اتباع کرتے ہیں اور وہ حق سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:(مَالَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُونَ اِلّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الحَقِّ شَيْـئًـا) [النجم:۲۸]۔اسی طرح لوگوں کے شرک وکفر میں واقع ہونے اور غیر اللہ کی پرستش کرنے کی ایک وجہ علم شرعی کا نہ ہونا بھی ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:(وَجَـعَـلُوا لِـلّٰـهِ شُـرَكَاءَ الجِنَّ وَ خَلَقَهُم وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيرِ عِلْمٍ)[الأنعام:۱۰۰]۔

علم شرعی کی طلب وتلاش: جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے اس کی جستجو وتلاش کی اتنی ہی اہمیت ہوتی ہے۔اور جب اللہ تعالی نے علم شرعی کو یہ مقام ومرتبہ عطا کیا ہے تو اس کے لیے سفر ورحلت اختیار کرنے کو بھی ویسی ہی فضیلت ومرتبت حاصل ہوگی۔اور حقیقتاً نبی ﷺ نے مختلف احادیث کے اندر طلب علم کے لیے گھر سے نکلنے والوں کو اور راہ علم کے مسافرین کو بڑی خوشخبری سنائی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"مَـا مِـنْ خَـارِجٍ مِـنْ بَيتِـهِ فِـي طَلَبِ العِلمِ اِلَّا وَضَعَتْ لَهُ المَلَائِكَةُ أَجنحَتهَا رِضًا بِمَا يَصنَعُ" [صحیح الترغیب والترھیب:(۸۵)] یعنی جو شخص بھی علم کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے اس عمل سے خوش ہوتے ہوئے فرشتے اس کے لیے اپنے پروں کو بچھادیتے ہیں۔یہ سعادت علم کے لیے گھر سے نکلنے والے ہر شخص کو حاصل ہے چاہے اس کا سفر طویل ہو یا قصیر ہو کیونکہ نبی ﷺ نے سفر کے طول وقصر کی کوئی تحدید نہیں فرمائی ہے۔اس لیے اگر کوئی اپنے گھر سے نکل کر چند قدم بھی چلتا ہے وہ اس سعادت کا مستحق ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے:" مَـنْ غَـدَا اِلَـى الـمَـسـجِـدِ لَا يُرِيدُ اِلَّا أَن يَتَـعَـلَّـمَ خَيـرًا أَو يُـعَـلِّـمَـهُ كَانَ لَهُ كَأَجرِ حَاجٍ تَامًا حَجَّتَهُ "[حسن صحیح: صحیح الترغیب والترھیب:(۸۶)] یعنی: جو شخص صبح صبح اپنے گھر سے صرف اس لیے مسجد گیا کہ وہ خیر کی تعلیم حاصل کرے گا یا خیر کی تعلیم دے گا تو اس کے لیے مکمل حج والے حاجی کا ثواب ہے۔

اور یہ حدیث گذر چکی ہے کہ: جو شخص علم کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالی جنت کے راستے کو آسان کردیتا ہے۔فرشتے طالبان علوم کی راہوں میں پر بچھاتے ہیں، عالم کی مغفرت کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں دعا کرتی ہیں، حتی کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی[صحیح سنن ابی داود ولا لبانی (۳۰۹۶) اور صحیح الترغیب والترھیب (۷۰)]

علم شرعی والوں کے لیے دعائے نبوی: یہ بھی علم شرعی کی فضیلت وعظمت پر دلالت کرنے والی بات ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بالعموم اور اپنے نبی ﷺ کو بالخصوص اپنے رب سے علم مانگنے اور حاصل شدہ علم میں برکت واضافہ کا سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔اس کا ارشاد ہے:(وَ قُـل رَّبِّ زِدنِـي عِلمًا)[طٰہٰ:۱۱۴] آپ کہیے کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر۔اور نبی ﷺ نے اپنے بعض مخصوص ومحبوب صحابہ کے حق میں دعا فرمایا تو علم اور تفقہ فی الدین کی دعا فرمایا:"اَلـلّٰـهُـمَّ فَـقِّـهـهُ فِـي الدِّين" اور "اَللّٰهُمَّ عَلِّمهُ التَّاوِيلَ" اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔اے اللہ! اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔اسی طرح حدیث سننے، اسے یاد کرنے، یاد رکھنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے والوں کے حق میں بھی آپ کی زبان مبارک سے دعائے خیر نکلی ہے:" نَـضَّـرَ الـلّٰـهُ اِمرأً سَمِعَ مِنَّا شَيئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ .."[ابوداود، ترمذی وابن حبان، اور البانی نے (حسن صحیح) کہا ہے، صحیح الترغیب (۸۹،۹۰)] یعنی اللہ تعالی اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا اور اس کو اسی طرح پہنچا دیا جس طرح سنا تھا....

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو علم شرعی کی اہمیت کو سمجھنے اور علمائے دین کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

مولانا آصف تنویر تیمی
استاد جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار

آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

اس سے قبل کے شمارے میں بھی میں نے نماز کے موضوع پر لکھا تھا۔ جس میں قارئین کو یہ بتلانے کی کوشش کی تھی کہ نماز کی فرضیت کا معاملہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالی نے اس اہم ترین عبادت کو سابقہ امتوں پر بھی کسی نہ کسی شکل میں فرض کیا تھا۔ بالآخر نماز اس امت پر بھی فرض کی گئی اور اس کو اسلام کا دوسرا رکن قرار دیا گیا۔ توحید کے بعد جو مقام نماز کو حاصل ہے وہ کسی اور عبادت کو نہیں۔ اس شمارے کے لئے بھی راقم نے نماز کے موضوع کو اختیار کیا تاکہ نماز کے مقام و مرتبے کو مزید کتاب وسنت کی روشنی میں اجاگر کیا جاسکے۔ اور اس وقت معاشرے میں نماز سے متعلق جو کوتاہی پائی جاتی ہے اس کی خطرناکی کو طشت از بام کیا جاسکے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک باجماعت نماز ادا کرتے رہے جب تک مسجد جانے کی قوت باقی رہی۔ آپ نے مسجد میں آخری نماز ظہر کی پڑھی۔ اس کے بعد نقاہت بڑھنے کی وجہ سے مسجد میں نہ آسکے۔ آپ کی جگہ ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے رہے۔ جمعرات سے لیکر اتوار تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار رہے۔ پیر کا دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری دن تھا۔ اس دن آپ کی وفات ہوئی۔ اسی دن فجر کی نماز کے وقت آپ نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا، اور الوداعی نگاہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ڈالی۔ اس کی منظر کشی انس رضی اللہ عنہ نے کی ہے، فرماتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے۔ پیر کے دن جب لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کا پردہ ہٹا کر کھڑے ہوئے، ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (حسن وجمال اور صفائی میں) گویا مصحف کا ورق تھا۔ آپ مسکرا کر ہنسنے لگے۔ ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ خطرہ ہوگیا کہ کہیں ہم سب آپ کو دیکھنے میں نہ مشغول ہوجائیں اور نماز توڑ دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر صف کے ساتھ آملنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لا رہے ہیں، لیکن آپ نے ہمیں اشارہ کیا کہ نماز پوری کرلو۔ پھر آپ نے پردہ ڈال دیا۔ اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی''۔ (صحیح بخاری: ٦٨٠)

یقیناً نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کو آخری بار حالت نماز میں دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی ہوگی اس کا صحیح اندازہ لگا پانا مشکل ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اس منظر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی کے آخری مرحلے میں نماز کی حالت میں دیکھنا اس بات کا پیغام تھا کہ نماز سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ اور نماز سے زیادہ کوئی عمل قابل رشک وستائش نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری گفتگو بھی نماز سے متعلق تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز! نماز! اور اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا''۔ (سنن ابوداود: ٥١٥٦) آخری وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے لوگوں کو نماز کے بارے میں تاکید کرنا یقیناً نماز کی اہمیت اور اس کے مقام کو ظاہر کرتا ہے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت کے وقت اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے پاس بلایا، اور بلاواسطہ آپ کی اس امت پر نماز فرض کی گئی۔ حالانکہ دیگر فرائض وواجبات جبریل علیہ السلام کے واسطے سے بذریعہ وحی فرض قرار پائے۔ نماز کی فرضیت کے وقت معراج کا تاریخی واقعہ رونما ہوا۔ اس مناسبت سے اللہ تعالی نے شروع میں پچاس وقتوں کی نماز فرض کی لیکن بعد میں تخفیف کرکے پانچ وقتوں کی برقرار رکھی گئی۔ جو تعداد کے اعتبار سے تو پانچ وقتوں کی ہے لیکن اجر وثواب کے لحاظ سے پچاس وقتوں کے برابر ہے۔

آج مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت معراج نبی کی مناسبت سے جلسہ اور جلوس کا اہتمام تو کرتی ہے لیکن اس موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظیم تحفہ نماز کی شکل میں دیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاحیات اس فریضہ پر کاربند رہے۔ بلکہ بے شمار حدیثوں میں اس کی عظمت اور تارک صلاۃ کے گناہ کو بیان کیا۔ جلسہ جلوس کرنے والے حضرات اس اہم فریضہ کی فکر نہیں کرتے۔ اس قسم کے لایعنی کاموں میں ملوث لوگ عام طور سے بے نمازی اور دین بیزار ہوتے ہیں۔ وہ نماز کو تو چھوڑ سکتے ہیں مگر معراج کے جلسوں کو ترک نہیں کرسکتے۔ جبکہ اس قسم کے جلسے بدعات کے زمرے میں داخل ہیں۔ اگر ان لوگوں کو واقعی معراج اور نبی صلی اللہ وسلم سے محبت ہوتی تو جلسہ کی بجائے نماز ادا کرتے اور اس کی ادائیگی میں خوشی محسوس کرتے جو کہ اصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی ہے۔ حقیقی محبت کرنے والا تو وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کے ایک ایک عمل کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذرہ برابر اس کی

مخالفت نہیں کرتا۔ آج محبت رسول کے نام پر سب کچھ کئے جاتے ہیں مگر اعمال وافعال میں پیروی نہیں کی جاتی ہے۔ یقین جانیں ایسی محبت سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ اگر معراج کی مناسبت سے جلسہ جلوس ہی کرنا محبت ہوتا تو صحابہ کرام اور تابعین اس معاملے میں ضرور سبقت کرتے مگر کسی سے کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی قسم کا جلسہ منعقد کیا ہو، حالانکہ وہ سب ہم سے زیادہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے تھے۔

نماز کی اہمیت سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان اور شرک وکفر کے درمیان نماز حد فاصل ہے''۔ (صحیح مسلم: ۸۲) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے درمیان اوران (کافروں اور مشرکوں) کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے متعلق یہاں تک فرمادیا: ''جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا تو وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اوراس کے رسول کی پناہ ہے۔ پس تم اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی پناہ میں خیانت نہ کرو''۔ (صحیح بخاری: ۳۹۱)

نماز کی اہمیت سے متعلق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جو یہ چاہے کہ کل (قیامت کے دن) اللہ سے مسلمان کی حیثیت سے ملے تو وہ جہاں سے ان (نمازوں) کے لئے بلایا جائے، ان نمازوں کی حفاظت کرے (وہاں مساجد میں جاکر صحیح طرح سے انہیں ادا کرے) کیوں کہ اللہ تعالی نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت کے طریقے مقرر فرمادیئے ہیں اور یہ (مساجد میں باجماعت نمازیں) بھی انہیں طریقوں میں سے ہیں۔ کیونکہ اگر تم نمازیں اپنے گھروں میں پڑھوگے، جیسے یہ جماعت سے پیچھے رہنے والا، اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی راہ چھوڑ دوگے اور اگر تم اپنے نبی کی راہ چھوڑ دوگے تو گمراہ ہوجاؤ گے۔ کوئی آدمی جو پاکیزگی حاصل کرتا ہے (وضو کرتا ہے) اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے ہر قدم کے بدلے، جو وہ اٹھاتا ہے، ایک نیکی لکھتا ہے، اور اس کے سبب اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے، اور اس کے سبب اس کا ایک گناہ کم کردیتا ہے، اور میں نے دیکھا کہ ہم میں سے کوئی (بھی) جماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا، سوائے ایسے منافق کے جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا (بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ) ایک آدمی کو اس طرح لایا جاتا کہ اسے دو آدمیوں کے درمیان سہارا دیا گیا ہوتا، حتی کہ صف میں لاکھڑا کیا جاتا''۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نماز سے متعلق صحابہ کرام کی کیا کیفیت اور محبت تھی۔ اور وہ کس حد تک کتاب وسنت کی پیروی کے خواہاں ہوتے تھے۔ وہ آدمی جو سیدھا کھڑا تک نہیں ہوسکتا وہ دوسروں کے سہارے چل کر مسجد پہنچتا اور باجماعت نماز پڑھتا تھا۔ اور آج بہت سارے مسلمان ان معمولی عذر تراش کر نماز چھوڑتے اور گھر میں سوئے رہتے ہیں۔ انہیں اللہ کا ڈر ہوتا ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور پیروی کی فکر۔ پھر بھی وہ بڑی ڈھٹائی سے اپنے کو محب رسول اور مسلمان کہتا ہے۔ افسوس ہے ایسے بے نمازی مسلمان پر۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کا قول ہے: ''بے نمازی کے دین کا کوئی اعتبار نہیں''۔ (تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی: ۹۳۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ ضعیفہ [۳۸۲/۱] میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کو حسن قرار دیا ہے) اسی قول کے مثل امام مالک کا قول ہے: ''بے نمازی کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں''۔ (موطا: ۵۱، علامہ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل [۲۰۹] میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

اس تعلق سے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر فرض نمازوں کو چھوڑنا عظیم ترین گناہ ہے۔ اور دنیا وآخرت میں اللہ تعالی کے سخت عقاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ فقہاء اسلام نے بے نمازی کے شرعی حکم کو تفصیل سے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ بے نمازی سے متعلق کتاب وسنت میں جیسی سخت وعیدیں آئی ہیں ان سے ایک مسلمان کو اپنے دل میں خوف محسوس کرنا چاہئے۔ اور ترک نماز سے باز آنا چاہئے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔ مگر دائیں ہاتھ والے۔ کہ وہ بہشتوں میں (بیٹھے ہوئے) گناہ گاروں سے سوال کرتے ہوں گے۔ تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔ نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر بحث ومباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی''۔ (مدثر: ۳۸-۴۷) اللہ تعالی نے فرمایا: ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑگئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا''۔ (مریم: ۵۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایک بھی وقت کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالی کی ضمانت سے خارج ہوجاتا ہے''۔ (مسند احمد: ۲۲۰۷۵) نماز سے متعلق محجن اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے کہ نماز کی اذان کہی گئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، پھر (نماز پڑھ کر) واپس تشریف لائے تو (دیکھا کہ) محجن اپنی جگہ ہی میں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا تم مسلمان آدمی نہیں ہو؟'' انہوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن میں گھر میں نماز پڑھ آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''جب تم مسجد میں آؤ (اور جماعت مل جائے) تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو، اگرچہ تم (اکیلے) نماز پڑھ چکے ہو''۔ (سنن نسائی: ۸۵۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سلسلہ صحیحہ میں ذکر کیا ہے) یہ حدیث اس بات

کی مضبوط دلیل ہے کہ بے نمازی کا اسلام سے کوئی لینا دینا نہیں۔ ہمارا مسلم معاشرہ اس قدر غفلت کا شکار ہو چکا ہے کہ لوگ اذان کے بعد بڑی بے شرمی کے ساتھ اپنے گھروں یا مسجد کے اردگرد بیٹھے ہوتے ہیں بسا اوقات تو مسجد ہی میں ہوتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے کیا ان لوگوں سے بڑا بھی کوئی گنہگار ہو سکتا ہے۔

حریث بن قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں جب مدینہ آیا تو دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی نیک ہم نشیں میسر فرما۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی میسر ہوئی۔ میں نے ان سے کہا: میں نے اللہ تعالی سے دعا کی تھی کہ مجھے نیک ہم نشیں میسر فرما، لہذا آپ مجھے کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ امید ہے اللہ تعالی مجھے اس سے فائدہ پہنچائے گا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''سب سے پہلے بندے سے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر وہ درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہو گیا۔ اور اگر وہ خراب ہوئی تو وہ ناکام رہا اور خسارے میں گیا۔'' (سنن نسائی: ۴۶۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ صحیحہ میں اس کو نقل کیا ہے) قرآن کریم میں اللہ تعالی نے واضح طور پر نماز کا حکم دیا ہے، فرمایا: ''اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ، ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے''۔ (طٰہ: ۳۲) اس خطاب میں ساری امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ یعنی مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ آدمی ہرگز آگ میں داخل نہ ہوگا جس نے سورج طلوع اور غروب ہونے سے قبل کی نمازیں (فجر اور عصر) ادا کیں''۔ (سنن نسائی: ۴۷۲) نماز کے فائدہ سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بتاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے سے نہر گزرتی ہو، وہ اس سے ہر روز پانچ دفعہ غسل کرتا ہو، کیا اس کا کچھ بھی میل کچیل باقی رہ جائے گا؟'' صحابہ نے کہا: کچھ بھی میل کچیل نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: ''پانچ وقت کی نمازوں کی مثال بھی یہی ہے۔ اللہ تعالی ان کے ذریعہ غلطیاں مٹا دیتا ہے''۔ (سنن نسائی: ۴۶۳)

ہر مسلمان مرد وعورت اور گھر کے کارجین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد رکھنی چاہئے کہ آپ نے فرمایا: ''اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نہ پڑھیں) تو انہیں اس پر مارو اور ان کے بستر جدا جدا کر دو''۔ (سنن ابوداود: ۴۹۵) ان ماں باپ سے بڑا لاپرواہ کوئی نہیں جو اپنے بچوں کو دنیا کی ہر اچھی بری چیز تو سکھائے مگر نماز جیسی اہم ترین فریضہ کی تعلیم نہ دے۔ اور ایسے بچے عام طور پر بڑے ہونے کے بعد بے دین اور والدین کے نافرمان بنتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے سرپرست کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اہل وعیال کو نماز کا پابند بنائیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات میں حسب توفیق نفلی نماز پڑھتے تھے، جب رات کا آخری پہر ہوتا تو اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار کرتے (مؤطا امام مالک، مشکاۃ کی تخریج میں علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)۔

نماز کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب چاہا پڑھ لیا اور جب چاہا چھوڑ دیا۔ نماز کے وقت کا بلا خیال کئے بہت سارے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ بعض حضرات تو جان بوجھ کر نماز کو بے وقت پڑھتے اور اس عادت بد کو عبادت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو! یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے''۔ (النساء: ۱۰۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''نماز کو وقت مقررہ پر پڑھو''۔ (صحیح مسلم: ۶۴۸) قرآن کریم میں بعض نمازوں کی اوقات کی تحدید کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ''نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی، یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے''۔ (بنی اسرائیل: ۷۸) اس آیت کی تفسیر میں علامہ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''دلوک کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور غسق کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد، ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن، نماز کے معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آجاتا ہے۔ جن کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جو امت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہے''۔ (احسن البیان: ص ۷۸۸) سورہ روم میں اللہ تعالی نے فرمایا: ''پس اللہ تعالی کی تسبیح بیان کیا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ تمام تعریفوں کے لائق آسمان وزمین میں صرف وہی ہے تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اس کی پاکیزگی بیان کرو)۔'' (الروم: ۱۷/۱۸) حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ تمسون میں مغرب وعشاء، تصبحون میں نماز فجر، عشیا (سہ پہر) میں عصر اور تظہرون میں نماز ظہر آجاتی ہے''۔ (احسن البیان: ۱۱۲۷)

نماز کے اوقات سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس میری دوبار امامت کرائی۔ (پہلی بار) مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اس وقت جبکہ سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کے برابر ہو گیا اور مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت کہ روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ شفق (سرخی) افق میں غائب ہو گئی اور فجر کی نماز پڑھائی جبکہ روزے دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی

جبکہ اس کا سایہ دو مثل تھا اور مغرب کی نماز پڑھائی جبکہ روزے دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جبکہ رات کا تہائی حصہ گزر گیا اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی اور خوب سفیدی کی۔ پھر (جبریل علیہ السلام) میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: اے محمد! آپ سے پہلے انبیاء کے یہی اوقات ہیں۔ اور (نماز کے) اوقات ان دونوں (وقتوں) کے مابین ہیں''۔ (سنن ابو داود: ۳۹۳) اس صریح اور واضح حدیث کے باوجود اگر کوئی نماز کو وقت سے پہلے اور یا بعد میں پڑھتا ہے تو اس کی بدبختی ہی سمجھی جائے گی۔ اور اس بدبختی کا ذکر اللہ تعالی نے قرآن کریم میں کیا ہے: ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا''۔ (مریم: ۵۹) عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس نقصان سے نماز کے وقت کا ضیاع مراد لیا ہے۔ اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ''ساہون'' سے نماز میں تاخیر کرنا مراد لیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی نماز عصر رہ گئی تو گویا اس کے اہل وعیال اور اس کا مال تباہ وبرباد ہو گئے''۔ (صحیح مسلم: ۶۲۶) علاء بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ وہ نماز ظہر سے فارغ ہو کر انس رضی اللہ عنہ کے ہاں بصرہ میں ان کے گھر حاضر ہوئے، ان کا گھر مسجد کے پہلو میں تھا، جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے پوچھا: کیا تم لوگوں نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے ان سے عرض کیا: ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر لوٹے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تو عصر پڑھ لو۔ ہم نے اٹھ کر (عصر کی) نماز پڑھ لی، جب ہم فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''یہ منافق کی نماز ہے، وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے یہاں تک کہ (جب وہ زرد پڑ کر) شیطان کے دو سینگوں کے درمیان چلا جاتا ہے تو کھڑا ہو کر اس (نماز) کی چار ٹھونگیں مار دیتا ہے اور اس میں اللہ کو بہت ہی کم یاد کرتا ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۱۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے تمہارے درمیان آتے ہیں اور فجر کی نماز اور عصر کی نماز کے وقت وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر جنہوں نے تمہارے درمیان رات گزاری ہوتی ہے وہ اوپر چلے جاتے ہیں، ان سے ان کا رب پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے: تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ جواب دیتے ہیں: ہم انہیں (اس حالت میں) چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس (کل عصر کے وقت) اس حالت میں پہنچے تھے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۳۲)

اس سے بڑھ کر نماز کا مقام ومرتبہ کیا ہو سکتا ہے کہ نمازی آخرت میں رب کریم کا براہ راست دیدار کرے گا۔ اور دیدار الہی سے جو لذت حاصل ہوگی اس کو کسی چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند پر ایک نظر ڈالی پھر فرمایا کہ تم اپنے رب کو (آخرت میں) اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو اب دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تم کو کوئی زحمت بھی نہیں ہوگی، پس اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز (عصر) سے تمہیں کوئی چیز روک نہ سکے تو ایسا ضرور کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''پس اپنے مالک کی حمد وتسبیح کر سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پہلے''۔ (صحیح بخاری: ۵۵۴)

اللہ تعالی ہم سب کو نماز باجماعت اس کے وقت پر پڑھنے کی توفیق دے، اور نماز سے متعلق جو تساہلی ہمارے اندر پائی جاتی ہے اسے دور فرمائے۔ آمین

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۸ کا)

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کی تاثیر اور ہمہ گیر اثرات سے عقل انسانی حیران ہے لیکن آخر ہمارے دلوں پر اس کے اثرات ظاہر کیوں نہیں ہوتے۔ اس کی تلاوت سے ہماری آنکھیں نم کیوں نہیں ہوتیں، آنسو کیوں نہیں چھلکتے، ہماری قوت ایمانی میں اضافہ کیوں نہیں ہوتا؟ مسلمان قرآن کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار تو کرتے ہیں۔ اسے چومتے بھی اور ریشمی غلاف میں لپیٹ کر اونچی جگہ پر رکھتے ہیں، اس کی عزت وناموس کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔ لیکن ان کا عملی رویہ قرآن سے بے اعتنائی کا ہوتا ہے، وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ قرآن انہیں کیا پیغام دے رہا ہے اور انہیں کیسا انسان بنانا چاہتا ہے، انہیں زندگی کیسے گذارنی چاہیے۔ عجیب تضاد ہے مسلمانوں میں، یہ قرآن پر مرنا جانتے ہیں لیکن قرآن سے جینا نہیں جانتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعویذ، مردے کے پاس اور قبرستان میں پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس کے طغرے دکان ومکان میں حصول برکت کے لئے لٹکائے جائیں اور بس، اس میں انسانی زندگی میں زندگی پیدا کرنے اور انسانی قافلے کو آگے بڑھانے کی صلاحیت نہیں ہے۔

یاد رکھیں یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ جس نے اسے تھام لیا اسے ہدایت مل گئی۔ اور وہ انسان کی ہلاکتوں اور شیطان کی گمراہیوں سے محفوظ ہو گیا۔ یہ تاریک دلوں کو منور کرتا ہے، اور دنیا وآخرت کے تمام مراحل میں آپ کا بہترین محافظ ہے۔

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

مولانا عبدالمنان شکراوی، دہلی

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک تقرب الٰہی کا ذریعہ

شریعت میں ماں باپ کا حق بہت بڑا ہے۔ان کے ساتھ حسن سلوک کو قرآن کریم کے اندر توحید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الاسراء:٢٣) ترجمہ:''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔'' ایک مقام پر ان کی شکر گذاری کو رب کی شکر گزاری کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمان:١٤) ترجمہ:''تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر۔(تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' ان کے ساتھ بھلائی کرنا بہت ہی بڑا عمل اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے۔جس طرح اللہ نے ہمیں پیدا کیا اور ہماری روزی لکھ دی ہے اسی طرح والدین کو ہمارے وجود کا ذریعہ، ہماری روزی کے لیے معاون بنایا ہے اور ہماری دیکھ بھال کی ذمہ داری انہیں تفویض کی ہے۔اس لیے شریعت میں ماں باپ کا بہت بلند درجہ رکھا گیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی فضیلت ہے۔انبیاء ورسل علیہم السلام اس پیغام کو لیکر آئے اور متقی وپرہیزگار لوگ ہمیشہ اس بات کے حریص رہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی زندگی میں اہمیت دیں اور رچائیں بسائیں۔

قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے نمونوں سے بھرا ہوا ہے۔والدین کے ساتھ حسن سلوک،ان کے لیے دعاء خیر کا جابجا ذکر ہے۔یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں،دعا کرتے ہیں: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا (نوح:٢٨) ترجمہ:''اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے۔اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔'' اور یحیٰ علیہ السلام کو دیکھیے جن کی اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ تعریف فرمائی ہے: وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا (مریم:١٤) ترجمہ:''اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا وہ سرکش اور گناہ گار نہ تھا۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی خوش نصیبی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا (مریم:٣٢) ترجمہ:''اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا۔''

تقرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ: والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے تقرب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علی وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: وقت پر نماز ادا کرنا۔میں نے پھر پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔(بخاری ومسلم) اللہ کو جو عمل پسند ہے اسے اگر انجام دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ یقیناً خوش ہوگا اور اس طرح اس کی قربت حاصل ہوگی۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی خوشنودی کے اعمال انجام دیں اور تقرب حاصل کر کے سعادت دارین کے حقدار ہوں۔

عمر میں زیادتی کا سبب: یقیناً والدین کے ساتھ حسن سلوک انسان کی عمر میں اضافہ اور رزق میں برکت کا باعث بنتا ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے یہ پسند ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ اور روزی میں زیادتی کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور رشتے ناطوں کو جوڑے۔(احمد)

والدین کی دعا کی مقبولیت: اللہ کے دربار میں والدین کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ جب اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے۔حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے دربار میں رد نہیں ہوتیں۔اول مظلوم کی بددعا، دوم مسافر کی دعا، سوم والد کی دعا اولاد کے لیے۔(احمد،ابوداود،ترمذی،ابن ماجہ)

توبہ کی قبولیت کا ذریعہ: والدین کے ساتھ حسن سلوک توبہ کی قبولیت اور اللہ کی مغفرت کے اسباب وذرائع میں سے ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: کیا تیرے والدین (زندہ) ہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔آپ نے پھر پوچھا کیا خالہ ہیں؟ جواب دیا: ہاں۔تو آپ نے فرمایا: تب اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔(احمد،ترمذی)

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی قسمیں: ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کے بہت سے طریقے ہیں۔لیکن ان سب کا مجموعہ ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور برائی سے باز رہنا ہے۔ان کے ساتھ حسن سلوک یہ بھی ہے کہ انہیں خوش رکھا جائے،ان کی تعریف بیان کی جائے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں آپ

سے ہجرت پر بیعت کرنے کی غرض سے آیا ہوں اور میں نے اپنے والدین کو روتے ہوئے چھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: واپس ان کے پاس چلے جاؤ اور جیسے تم نے انہیں رلایا ہے ویسے ہی ہنساؤ۔ (نسائی)

والدین کی خوشنودی کو مقدم رکھیں: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ان کی خوشی کو اپنی، اپنی بیوی اور اولاد کی خوشی پر مقدم رکھے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نو باتوں کی وصیت فرمائی جن میں والدین کی اطاعت وفرماں برداری کا ذکر کیا اور فرمایا اگر وہ تمہیں تمہاری دنیا سے نکل جانے کے لیے بھی کہیں تو ان کی اطاعت کی خاطر نکل جاؤ۔'' بہت مشہور حدیث ہے: ''رب کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے اور اس کی ناراضگی ان کی ناراضگی میں ہے۔'' (طبرانی)

انہیں خوش کن خبریں سنائیں: والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ایک قسم جس سے ہم واقف نہیں ہے یہ بھی ہے کہ انہیں ایسی خبریں سنائیں جن سے وہ خوش ہوں اور ان کی فرحت وانبساط کا باعث بنیں۔ اگر اس طرح کی کوئی خبر نہ ہو تو اس کے برعکس رنج وغم تنگی وغیرہ کی خبریں اور اپنی مشکلات اور ازدواجی اختلافات یا کاروبار وملازمت کی پریشانیوں کی خبر انہیں ہرگز نہ دیں۔ کیونکہ جن چیزوں سے آپ پریشان ہیں، وہ بھی پریشان ہوں گے۔

والدین کو تکلیف دینا دردناک عذاب کا باعث: جس طرح والدین سے حسن سلوک میں اجر وثواب ملتا ہے اسی طرح ان کو تکلیف پہنچانے سے بندہ دردناک عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ (محمد:۲۲-۲۳) ترجمہ: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔'' حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: ہاں کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر (معاملے کی سنگینی بتانے کے لیے) بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی۔ (بخاری ومسلم)

ماں باپ کی نافرمانی کی قسمیں: والدین کی نافرمانی کی قسمیں بہت اور ان کی بدنامی کے باعث کام بے شمار ہیں۔ انہیں بیہودہ الفاظ سے پکارنا، انہیں غضبناک نظروں سے دیکھنا بھی نافرمانی کے زمرے میں آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (الاسراء:۲۳) ترجمہ: ''ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنا۔'' اسی طرح ان کی ضروریات پوری نہ کرنا اور ان پر خرچ نہ کرنا بھی ان کی نافرمانی ہے۔ ان کے سامنے برائی کا ارتکاب کرنا اور حرام کاموں کا ارتکاب کر کے ان کی شہرت کو بٹہ لگانا بھی نافرمانی کہلائے گا۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی جانب توجہ نہ دینا اور ایسے کام کرنا جو انہیں ناپسند ہوں، یہ سب موجودہ دور میں ان کی نافرمانی کے کاموں میں سے ہیں۔

والدین کی وفات کے بعد حسن سلوک: ماں باپ کی زندگی میں انسان کے پاس ان کے ساتھ حسن سلوک کے بے شمار مواقع ہوتے ہیں جنہیں غنیمت جان کر انسان اپنی دنیا وعاقبت سنوار سکتا ہے۔ بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے زندگی میں اپنے ماں باپ کی خدمت کی، ان کی ضروریات کا خیال رکھا اور انہیں ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو زندگی میں ان کے حقوق ادا نہیں کر سکے یا حقوق تو ادا کیے لیکن موت کے بعد بھی وہ اس سلسلے کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے یہ خوش خبری ہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں اور ایسے اعمال کر سکتے ہیں جو ان کے لیے مرنے کے بعد نفع بخش ثابت ہوسکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان مرنے کے بعد دعا کا سب سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ صرف تین چیزیں باقی رہتی ہیں (جن کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے)۔ (۱) صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے (۳) نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے۔'' (مسلم) یہ لڑکا جو نیک اعمال کرتا ہے بھلائی کے کام کرتا ہے تو میت کو اس کا فائدہ ہوتا ہے، اسے اس سے خوشی ملتی ہے، اس کے درجات بلند ہوتے ہیں، لغزشیں معاف ہوتی ہیں اور بسا اوقات جہنم سے چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔

بعض اوقات انسان والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی کرتا ہے اور مرنے کے بعد سوچتا ہے کہ اس کی تلافی کی جائے اور انہیں ثواب پہنچایا جائے یا اس نے حق تو ادا کیا تھا لیکن چاہتا ہے کہ مزید ثواب حاصل کیا جائے تو اس سلسلے میں شریعت نے ثواب پہنچانے کا دروازہ بند نہیں کیا ہے بلکہ جو چاہے اس سلسلے کو جاری وساری رکھ سکتا ہے۔ حضرت ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بیٹھے تھے کہ بنی سلمہ کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا کچھ گنجائش بچی ہے کہ میں اپنے فوت شدہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ان کے لیے دعا کرو، ان کے لیے بخشش طلب کرو، انہوں نے کسی نیک کام کی نیت کی تھی اسے پورا کرو، ان کے رشتے ناطوں کو جوڑو اور ان کے دوست واحباب کی عزت کرو۔ (احمد ،طبرانی) منقول ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مکہ جاتے تو ان کے پاس ایک گدھا تھا جب سواری سے تھک جاتے تو اس پر بیٹھتے اور ایک عمامہ باندھے رہتے۔ ایک دن اسی گدھے پر جارہے تھے کہ ایک دیہاتی کے پاس سے گزر ہوا اور اس سے

(بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

تنہائیوں کے گناہ

ڈاکٹر محمد یوسف حافظ ابوطلحہ

(نوٹ: یہ کسی عرب کی دل چھوتی تحریر ہے جسے وقت کی ضرورت سمجھتے ہوئے اردو داں طبقہ کے حسب حاجت کہیں قدرے اختصار اور کہیں قدرے وضاحت کے ساتھ اردو قالب میں ڈھالا گیا ہے، اور حتی الامکان حوالہ جات بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں)۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام کی حالت میں تھے، تو اللہ تعالی نے انہیں آزمایا تھا، وہ اس طرح کہ شکار ان سے اتنا قریب ہو گیا کہ ہر کوئی اپنے ہاتھ سے شکار پکڑ سکتا تھا، (دوڑ بھاگ کے ساتھ) آلات کے استعمال کی ضرورت نہ تھی، حالانکہ حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد محرم کے لیے شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

فرمان الٰہی کو بغور پڑھئے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ [المائدۃ:۹۴]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالی کچھ شکار سے تمہیں ضرور آزمائے گا، جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے۔ تاکہ اللہ تعالی (کھلے طور پر) جان لے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سو جو شخص اس کے بعد حد سے تجاوز کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

موجودہ زمانے میں بھی بڑی بڑی آزمائشوں سے بار بار انسان دوچار ہو رہا ہے، لیکن اس کی شکلیں مختلف ہیں۔ وہ کیسے؟

آج سے دس بیس سال پہلے حرام تصویروں اور کلپس کا حاصل کرنا کسی حد تک مشکل کام تھا، جبکہ آج صورت حال بدل چکی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے۔

آپ مذکورہ بالا آیت کی رہنمائی کو یاد کیجئے کہ اللہ تعالی بعض آزمائشوں میں ڈالتا ہے تاکہ کھلے طور پر جان لے اور آشکارا کر دے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔

آپ تنہائی میں اپنے اعضاء کی خاموشی سے دھوکہ میں نہ رہیں کیونکہ ایک دن (قیامت) ایسا آنے والا ہے جس دن آپ کے اعضاء بھی گفتگو کریں گے۔ فرمان الٰہی ہے: اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ {[سورہ یس:۶۵]

ترجمہ: ہم آج کے دن ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔

بعض سلف فرماتے ہیں کہ جب آپ گناہ کی حالت میں ہوں اور اس بات سے ڈر رہے ہوں کہ کہیں ہوا سے دروازے کا پردہ نہ اٹھ جائے حالانکہ آپ کا دل اس بات سے بے چین نہیں ہے کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے تو آپ کا ایسا ڈر اس گناہ سے زیادہ سنگین ہے۔ (حلیۃ الاولیاء 1/324، الداء والدواء ص126)۔

ایک شخص کو حرام چیزیں دیکھنے کی لت لگی تھی، اس کا بیان ہے: میں نے دروازے پر ایک آہٹ سنی، میرا دل حلق کو آ گیا، اور بے کسی کی کیفیت طاری ہو گئی دروازہ کھولا تو ایک بلی تھی۔۔۔!!! کیا اس بیچارے کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اسمارٹ موبائل پر جو گندی گندی شرمناک چیزیں فراہم کی جارہی ہیں ان چیزوں کے درمیان اور آپ کے درمیان صرف ایک ہی بات رکاوٹ بن سکتی ہے وہ ہے: اللہ کی دائمی نگرانی کا دائمی خوف (یعنی ہمیشہ اس بات کا ڈر کہ اللہ تعالی آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے)۔

علامہ شنقیطی (متوفی 1974ء) فرماتے ہیں: "علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی نے اس روئے زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں اتاری ہے جو مراقبہ (اللہ کی دائمی نگرانی کے دائمی خوف) سے بڑھ کر دلوں کو لرزانے والی اور جھنجھوڑنے والی ہو"۔ (ملاحظہ ہو: العذب النمیر 2/191، 3/64)۔

چنانچہ جو مراقبہ کی اس دیوار کو توڑ دے گا وہ گناہوں کے ارتکاب میں بے لگام ہو جائے گا۔ اور یہ کتنا سنگین جرم ہے۔!!!

بعض سلف کا کہنا ہے: ظاہر میں اللہ کے ولی اور باطن میں اللہ کے دشمن مت بنو۔ (الاخلاص والنیۃ لابن أبی الدنیا ص54)۔

جس وقت ہم یہ کہتے ہیں: یہ ایسا زمانہ ہے جس میں حرام چیزوں تک پہونچنا پچھلے زمانے کے مقابلے میں بہت آسان ہے، ہمیں یہ بھی لازمی طور پر کہنا چاہیے کہ یہ ایسا زمانہ ہے، جس میں حرام چیزوں سے بچ کر اللہ کی قربت حاصل کرنا پچھلے زمانے کے مقابلے میں نہایت عظیم کام ہے۔

یہ موبائل صندوق کی طرح ہے جس میں یا تو جاری نیکیاں ہیں یا برائیاں، اب آپ اس صندوق میں وہ چیزیں رکھیں جو قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

آپ تنہائی کے گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیے، خاص طور سے تنہائی میں اہل

خانہ اور دیگر لوگوں کی غیر موجودگی میں موبائل، کمپیوٹر اور ٹیلی ویژن کا استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو بچایئے، (ورنہ اگر بری لت پڑ گئی تو) یہ بری لت دین پر ثبات قدمی کی کمر توڑ دے گی۔(یعنی دھیرے دھیرے آپ کے دین کو دیمک کی طرح کھا جائے گا)۔اور دنیا سے چھپ کر اپنے رب کی کچھ عبادت کیجئے تاکہ اس کے ذریعے اپنے آپ کو خواہشات نفس کے حملوں سے بچا سکیں۔

لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ موت تک صحیح راہ پر ثابت رہیں تو تنہائیوں میں ہمیشہ اس ایمان کو تازہ رکھیں کہ آپ ہر وقت اللہ تعالی کی نگرانی میں ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: تنہائیوں کے گناہ گمراہی کی کھائی میں سر کے بل گرنے کے سبب ہیں۔اور تنہائیوں کی عبادتیں صحیح راستے پر ثابت قدمی کے سبب ہیں۔اور بندہ جس قدر تنہائی کو اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان خوشگوار بنائے گا۔اسی قدر اللہ تعالی قبر میں اس کی تنہائی کو خوشگوار بنائے گا۔ (ابن القیمؒ کا یہ قول میں نہیں پا سکا، البتہ بعض اہل علم کے حوالے سے یہ بات نقل کی جاتی ہے۔ملاحظہ ہو: الدرر المنتقاۃ من الکلمات الملقاۃ 10/249)۔

رہا قیامت کا دن تو یہ حدیث بغور پڑھئے، سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لأعلمن أقواما من أمتي، يأتون يوم القيامة بحسنات أمثال جبال تهامة، بيضا، فيجعلها الله عز وجل هباء منثورا، قال ثوبان: يا رسول الله، صفهم لنا، جلهم لنا، أن لا نكون منهم ونحن لا نعلم قال: أما انهم اخوانكم ومن جلدتكم، ويأخذون من الليل كما تأخذون، ولكنهم أقوام اذا خلوا بمحارم الله انتهكوها (اس حدیث کو ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۲۴۵ نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے (الصحیحہ ۵۰۵) اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔

ترجمہ: ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں اپنی امت میں سے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں کے برابر صاف ستھری نیکیاں لے کر آئیں گے، اللہ تعالی ان کو فضا میں اڑتے ہوئے ذرے کی طرح بنا دے گا''، ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمایئے اور کھول کر بیان فرمایئے تاکہ لاعلمی کی وجہ سے ہم ان میں سے نہ ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جان لو کہ وہ تمہارے بھائیوں میں سے ہی ہیں، اور تمہاری قوم میں سے ہیں، وہ بھی راتوں کو اسی طرح عبادت کرتے ہیں، جیسے تم عبادت کرتے ہو، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں"۔

اے اللہ ہمیں اپنا اتنا ڈر عطا فرما جو ہمارے درمیان اور تیری نافرمانی کے درمیان رکاوٹ بنا رہے، ہم تجھ سے کھلے اور چھپے ہر دو حال میں تیری خشیت (ڈر) کے طلبگار ہیں۔آمین۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۹ کا)

پوچھا کہ کیا تم فلاں بن فلاں نہیں ہو؟ اس نے ہاں میں جواب دیا تو اسے وہ گدھا اور اپنا عمامہ دیدیا اور کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ اور عمامہ باندھ لو۔آپ کے بعض رفقاء نے کہا کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے اس دیہاتی کو اپنا گدھا اور عمامہ دونوں دیدیے۔فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے چاہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔میرے والد عمر اس کے باپ کے دوست تھے۔

ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد ان سے حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان پر کوئی قرض ہے یا نذر مانی تھی جو پوری نہ کر سکے یا کوئی کفارہ ادا کرنا تھا جو ادا نہیں کیا جا سکا تو اسے ادا کیا جانا چاہیے۔کیونکہ جب تک ان کی ادائیگی نہ کر دی جائے میت کو جنت میں داخل ہونے سے روکے رکھا جاتا ہے۔قرض کی ادائیگی کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ شہید کی ہر خطا معاف کر دی جاتی ہے سوائے قرض کے۔نذر پوری کرنے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ ایک عورت نے سمندر کا سفر کیا اور نذر مانی کہ اگر اللہ نے اسے نجات دی تو وہ ایک ماہ کے روزے رکھے گی، چنانچہ اللہ تعالی نے اسے نجات دیدی اور مرتے دم تک اپنی نذر پوری نہ کر سکی تو اس کی بہن یا بیٹی اللہ کے رسول کے پاس آئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتیں؟ کہا: ہاں۔چنانچہ آپ نے فرمایا: نذر اللہ کا قرض ہے جو ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔لہٰذا اپنی ماں کی نذر پوری کرو۔روزے اور حج کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وہ بھی ادا کیے جائیں گے۔

میت کی طرف سے صدقہ کرنے کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔اور اس بات پر ان کا اجماع ہے کہ صدقہ وخیرات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔جس کی دلیل صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں فوت ہوئیں تو وہ اس وقت موجود نہ تھے۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اس وقت موجود نہ تھا۔تو اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں تو انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔انہوں نے کہا: میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا مخراف نامی باغ ان کی طرف سے خیرات ہے۔''

عربی کا ایک بہت ہی مشہور مقولہ ہے: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ دَيْنٌ وَدَيْنٌ فَالْأَوَّلُ يَأْخُذُكَ إِلَى الْجَنَّةِ وَالثَّانِيْ يَرُدُّهُ لَكَ أَبْنَائُكَ یعنی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اچھا برتاؤ دین بھی ہے اور قرض بھی ہے، پہلا یعنی دین تو تمہیں جنت میں لے جائے گا اور دوسرا یعنی قرض اسے تمہاری اولاد تمہیں لوٹائے گی یعنی تم جیسا سلوک اپنے ماں باپ کے ساتھ کرو گے ویسا ہی سلوک تمہاری اولاد تمہارے ساتھ کرے گی۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی وفات کے بعد ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین یارب العلمین

☆☆☆

ابوعدنان سعید الرحمٰن بن نورالعین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الھندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی

حج کے لئے پیدل سفر: کچھ وضاحتیں

عبادات توقیفی ہیں۔اس شرعی ضابطہ کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے دیگر شعبہائے حیات کی طرح سے عبادات کے پہلو کو بھی واضح انداز میں بیان کردیا ہے اور اس کے کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔چنانچہ شریعت میں جس عبادت کے لئے جو کیفیت وکمیت اور ماہیت بتائی گئی ہے اسے بعینہ ادا کرنا ضروری ہے۔اگر کوئی شخص عبادات کے باب میں منمانی کرتا ہے یا خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے عبادات کی کیفیت وکمیت میں تبدیلی کرتا ہے تو ایسے شخص کا عمل مردود قرار پاتا ہے اور اس کی عبادت بھی ناقابل قبول ہوتی ہے۔قرآن وحدیث میں ایسے بے شمار نصوص موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ عبادات کے باب میں شریعت کے بیان کردہ تعداد ،طریقہ، وقت اور موضع ومحل سے انحراف ضلالت وگمراہی کا پیش خیمہ ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:’’الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا‘‘(سورۃ المائدۃ/3)(ترجمہ:آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دین اسلام مکمل ہے۔یہ اور اس جیسی آیتوں سے ہی علمائے کرام نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ دین اسلام کے مکمل ہونے کے بعد اگر کوئی اس کے احکامات وتعلیمات اور فرائض وواجبات میں کمی بیشی کرتا ہے یا انہیں اپنے ہوائے نفسانی کے مطابق ادا کرتا ہے تو وہ گنہگار قرار پائے گا اور اس کی عبادت قابل قبول نہیں ہوگی۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:’’ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لا یزیغ عنها بعدی إلا هالک‘‘(میں نے تمہیں روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن جیسی ہے اور اس سے وہ شخص ہی گمراہ ہوگا جس کی تقدیر میں ہلاکت وبربادی لکھی ہوگی۔)(سنن ابوداود/4607،سنن ترمذی/2676،سنن ابن ماجہ/42،مسند احمد/17144،شیخ البانیؒ نے اسے صحیح ابوداود میں صحیح قرار دیا ہے۔)

سابقہ نصوص اس بات کا پتا دیتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کامل ومکمل ہے۔لہٰذا اس کے احکامات کو من وعن تسلیم کرنا واجب وضروری ہے۔ایک مسلمان کو اس بات پر ایمان وایقان ہونا ضروری ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن چیزوں کو مشروع قرار دیا ہے وہ مشروع ہیں اور جنہیں مشروع نہیں قرار دیا ہے وہ مشروع نہیں ہیں۔

موجودہ زمانے میں سوشل میڈیا پر حج کے لئے پیدل سفر کرنے کا مسئلہ بہت گرمایا ہوا ہے اور موضوعِ عام وخاص بھی بنا ہوا ہے۔اس مسئلہ میں سوشل میڈیا دو دھڑوں میں منقسم ہے۔ایک دھڑے کا کہنا ہے کہ یہ عمل ازروئے عبادت انجام دی جارہی ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ اس سے اسلام کی تبلیغ وترویج کا کام بھی انجام پارہا ہے جبکہ دوسرے دھڑے کا کہنا ہے کہ آج کے دور میں جبکہ تمام اسباب سفر فراہم ہیں جنہیں بروئے کار لاکر مکہ مکرمہ کا سفر ایک دن میں طے کیا جاسکتا ہے تو پیدل سفر کرنا خود کو مشقت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔اسی طرح اس میں ریاکاری، فضول خرچی، عائلی ذمہ داریوں سے پہلوتہی، وقت کی بربادی اور عبادات کو انجام دینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ سے انحراف جیسی قباحتیں موجود ہیں جس کی وجہ سے یہ عمل شرعاً جائز نہیں ہوسکتا۔

آج کی یہ تحریر’’پیدل سفرِ حج: کچھ وضاحتیں‘‘کے عنوان سے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔اس مضمون میں حلت وحرمت سے قطع نظر حج کے لئے پیدل سفر کے ضمن میں کچھ رہنما باتیں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہیں جس سے اس مسئلے کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

☆**سفر عذاب ہے**: یہ حقیقت ہے کہ شریعت اسلامیہ نے سفر کو عذاب اور عذاب کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:’’السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ، فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ، فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ‘‘(سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، آدمی کو کھانے پینے اور سونے(ہر ایک چیز)سے روک دیتا ہے، اس لیے جب کوئی سفر سے اپنی غرض پوری کرچکے تو فوراً اپنے گھر والوں کے پاس واپس آجائے۔)(صحیح بخاری/1804،صحیح مسلم/1927)

سفر عذاب ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟اس کی وضاحت مذکورہ بالا حدیث میں بھی موجود ہے کہ سفر چونکہ آدمی کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے، یعنی سفر انسان کو اس وقت میں کھانا کھانے سے روک دیتا جس میں وہ چاہے، وہ اتنی مقدار میں نہیں کھا سکتا ہے جتنی وہ پسند کرے اور اس جگہ میں نہیں کھا سکتا ہے جہاں وہ کھانا چاہے، اس کیفیت سے نہیں کھا سکتا ہے جیسے وہ چاہے، اور ایسے شخص کے ہاتھوں سے نہیں کھا سکتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہو، چنانچہ یہ سب چیزیں اسے سفر میں نہیں مل سکتی ہیں، اسی طرح نیند جو کہ بدن کے لیے راحت وسکون ہے، وہ بھی صرف گھر، اس کے

خاص بستر، مناسب ماحول، مناسب وقت اور مناسب کیفیت میں ہی صحیح طور پر پوری ہوسکتی ہے، سفر میں صحیح طور پر پوری نہیں ہوتی ہے۔ لہذا سفر واقعی ایک طرح کا عذاب ہے جسے انسان دنیا میں برداشت کرتا ہے، نیز سفر میں انسان وہ اجنبیت محسوس کرتا ہے نیز گھر والوں، دوستوں اور مالوف جگہوں اور شہر کے ماحول اور ان کے علاوہ ان چیزوں سے دوری محسوس کرتا ہے جن کی اس کے دل میں یادیں ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ اسے ان خطرات اور پریشانیوں کا الگ سامنا کرنا پڑتا ہے جو اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں ہوتی ہیں اگرچہ وسائل سفر کتنے ہی آسان، آرام دہ اور تیز رفتار ہوں، کیونکہ سفر، سفر ہی ہے۔

سفر چاہے جتنا آسان ہو اور وسائل سفر جس قدر تیز رفتار اور آرام دہ ہوں لیکن سفر درحقیقت انسان کے لئے تکلیف ومصیبت ہی ہے۔ اب آپ غور کریں کہ کوئی شخص شوقیہ طور پر سفر کرے اور اللہ تعالیٰ نے اسے سفر کے جو وسائل فراہم کئے ہیں انہیں بروئے کار بھی نہ لائے تو ہم اس کے تعلق سے کیا کہیں گے؟ کیا اس کا یہ عمل قابل تعریف ہوگا یا پھر وہ اپنے آپ کو سفر کی صعوبتوں اور اذیتوں کے لئے پیش کرنے والا تصور کیا جائے گا۔

نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ، فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ'' کیا ہم سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ جب ہماری ضرورت اور مقصد پورا ہوجائے تو ہم جلد گھر واپس آجائیں یعنی ہم کوشش کریں کہ ہم وسائل سفر اختیار کریں تاکہ منزل مقصود تک جلدی اور بآسانی پہنچ سکے اور اپنا کام جلد ختم کرکے اپنے گھر اور دیار واپس آجائیں۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب ہم آٹھ ہزار کیلومیٹر سے زیادہ دوری کی مسافت پیدل طے کریں گے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قدر مال و دولت دے رکھی ہے کہ ہم وسائل سفر اختیار کرسکتے ہیں اور سکون واطمینان کے ساتھ مختصر وقت میں سفر کرسکتے ہیں لیکن پھر بھی ہم وسائل سفر کو اختیار نہیں کررہے ہیں اور شوقیہ طور پر پیدل سفر کرنے کو ترجیح دے رہے ہیں تو کیا ایسی صورت میں حدیث کے اس ٹکڑے پر عمل ممکن ہو پا رہا ہے؟

☆**وقت کا ضیاع**: وقت ایک گراں مایہ دولت ہے۔ وقت اللہ کی امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کی ہے اور قیامت کے روز اس بارے میں پرسش فرمائے گا۔ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تزولُ قدَما عبدٍ يومَ القيامةِ حتَّى يسألَ عن عمرِهِ فيما أفناهُ، وعن عِلمِهِ فيمَ فعلَ، وعن مالِهِ من أينَ اكتسبَهُ وفيمَ أنفقَهُ، وعن جسمِهِ فيمَ أبلاهُ'' (قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں پاؤں اس وقت تک نہیں ہل سکتے جب تک کہ اس سے اس کی عمر کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے کہ اسے کہاں ختم کیا، علم کے بارے میں کہ کس قدر عمل کیا، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جسم کے بارے میں کہ اس نے کس چیز میں اسے کھپایا۔) (سنن ترمذی/2417، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اغْتَنِمْ خَمْسًا قبلَ خَمْسٍ: شَبابَكَ قبلَ هَرَمِكَ، وصِحَّتَكَ قبلَ سَقَمِكَ، وغِناكَ قبلَ فَقْرِكَ، وفَرَاغَكَ قبلَ شُغْلِكَ، وحَياتَكَ قبلَ مَوْتِكَ'' (پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: اپنی جوانی کو بوڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، تونگری کو فقیری سے پہلے، خالی اوقات کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔) (مستدرک حاکم/7846، شعب الایمان للبیہقی/10248، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح الترغیب والترہیب/3355 میں صحیح قرار دیا ہے۔)

ان دونوں حدیثوں کو غور سے پڑھیں اور انہیں اچھے ڈھنگ سے ذہن نشین کرلیں اور پھر حج کی خاطر پیدل سفر کرنے والے کے اس عمل کو دیکھیں کہ وہ شخص مکہ مکرمہ تک کا سفر پیدل کررہا ہے۔ آپ پائیں گے کہ یہ سفر چند گھنٹوں میں مکمل ہوسکتا ہے، لیکن وہ کم وبیش اپنی زندگی کا ایک سال اس سفر میں لگا رہا ہے۔ آپ سوچیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا یہ وقت کا ضیاع اور بربادی نہیں ہے؟ کیا یہ شخص وقت کی اہمیت کو سمجھ رہا ہے؟ اگر یہ شخص وقت کی اہمیت کو سمجھ رہا ہوتا اور اس کے دل میں یہ احساس ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اوقات کے بارے میں پوچھے گا تو یہ ایسا اقدام ہرگز نہیں کرتا بلکہ وہ وسائل سفر کو استعمال کرتا اور مختصر وقت میں فریضۂ حج کی ادائیگی کرکے رب تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی کوشش کرتا اور مختصر وقت میں اپنے آل واولاد کے پاس واپس آجاتا۔

☆**خود کو مشقت میں ڈالنا**: سابقہ ادیان ومذاہب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ ان میں بہت سختیاں تھیں۔ وہ مسجد کے علاوہ کہیں دوسری جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، مال غنیمت کا استعمال نہیں کرسکتے تھے، اگر پیشاب کے کچھ قطرات ان کے کپڑوں میں لگ جاتے تو وہ کپڑے کاٹنے پر مجبور ہوتے تھے لیکن مذہب اسلام نے ان سختیوں، مشقتوں اور پریشانیوں کو ختم فرمادیا اور دین میں سہولت و آسانی پیدا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ'' (سورۃ الأعراف/157) (ترجمہ: جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی پیاری دعا سکھائی ہے: ''رَبَّنَا وَلَا

تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلا تُحَمِّلْنَا مَا لا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ''(سورۃ البقرۃ/ 286)(اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما!۔)

اللہ تعالیٰ نے مزید ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ'' (الحج /78)(ترجمہ:تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، ولنْ يشادَّ الدِّينُ إلَّا غَلَبه فسدِّدُوا وقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، واسْتعِينُوا بِالْغدْوةِ والرَّوْحةِ وشَيْءٍ مِن الدُّلْجةِ ''(بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا۔لہذا اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی اور خوش ہو جاؤ اور صبح ،دوپہر اور شام اور کسی قدر رات میں مدد حاصل کرو۔(صحیح بخاری/ 39)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ نے دو ستونوں کے بیچ دو تنی ہوئی رسیوں کو دیکھا۔آپ نے پوچھا: یہ رسیاں کیسی ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ زینب رضی اللہ عنہا نے باندھی ہیں جب وہ کھڑی کھڑی تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹکی رہتی ہیں۔آپ نے فرمایا:''حُلّوهُ، لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذا فتَرَ فَلْيَرْقُدْ ''یعنی اسے کھول دو،تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ جب تک پھرتی ہو نماز پڑھے اور تھک جائے تو سو جائے۔(صحیح بخاری/ 1150،صحیح مسلم/)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي، فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فإن أَحدَكم إِذَا صلَّى وهُو نَاعَسٌ لا يَدْرِى لعلَّهُ يذهَبُ يسْتَغْفِرُ فيَسُبُّ نَفْسَهُ'' (جب نماز پڑھتے وقت تم میں سے کسی کو اونگھ آئے تو چاہئے کہ وہ سو جائے، یہاں تک کہ اس سے نیند کا اثر ختم ہو جائے۔اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اونگھ کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اسے یہ نہیں احساس ہو پائے گا کہ وہ مغفرت طلب کر رہا ہے یا اپنے نفس پر بددعا کر رہا ہے۔(صحیح بخاری/ 212)

یہ اور ان جیسی آیتیں اور حدیثیں بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو حد درجہ آسان بنایا ہے اور اس میں کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے جس کی انجام دہی انسان کی طاقت وقوت سے باہر ہو۔اسی طرح سے یہ دین اپنے سب تقاضوں کے ساتھ مشکل نہیں ہے کیونکہ اس کے تمام تقاضے ہماری فطرت کے مطابق ہیں۔

ایک طرف یہ نصوص ہیں جن میں دین کی سہل پسندی اور آسانی کا تذکرہ ہے اور دوسری طرف حج کی ادائیگی کے لئے مکہ کا پیدل سفر حج۔کیا اس طرح کا کوئی بھی اقدام مشقت، پریشانی اور سختی کو اپنے اوپر تھوپنا نہیں ہے؟ اگر کوئی ایسا اقدام کرتا ہے جس میں سال سال بھر سفر کی صعوبتیں ہوں، مال و دولت کا بے دریغ خرچ ہو، جسمانی اذیت ہو اور اپنے اہل وعیال اور اقرباء کے حقوق کا ضیاع ہو تو بھلا اسے کیوں کر جائز اور درست قرار دیا جاسکتا ہے۔نیکی اور بھلائی کے جذبے سے سرشار ہو کر ہی تین صحابہ کرام ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ کے شب و روز کی عبادتوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھی اور جب انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادتوں کے بارے میں بتایا گیا تو یہ سوچ کر کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے سبھی گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، اس لئے آپ اسی قدر عبادتوں پر اکتفا کیا کرتے تھے۔چنانچہ ان میں سے ایک نے کبھی شادی نہ کرنے، دوسرا ہمیشہ روزہ رکھنے اور تیسرے صاحب نے رات بھر تہجد پڑھنے کی قسمیں کھائی۔اس واقعہ کا علم جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ نے ان صحابہ کرام کی سخت سرزنش فرمائی اور فرمایا:''إنَّما أنا أعلمُكُم باللّهِ و أخشاكم له و لكنِّي أقومُ و أنامُ وأصومُ و أفطِرُ و أتزوَّجُ النِّساءَ فمَن رغِبَ عن سُنَّتي فليسَ منِّي ''(میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں جانکار ہوں اور اللہ سے سب سے زیادہ خشیت والا ہوں۔میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزہ بھی رکھتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کر رکھی ہے۔لہٰذا جو شخص میرے طریقہ سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔)(صحیح بخاری/ 5063)

دین کے اندر افراط وتفریط سے پرہیز کرنا چاہئے اور ہمیشہ راہ اعتدال پر گامزن ہونا چاہئے۔سابقہ اقوام نے دین میں افراط وتفریط سے کام لیا جس کی وجہ سے وہ گمراہ ٹھہرے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایسے خیالات نے سر اٹھایا جس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی۔آپ تصور کریں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ صحابی رسول ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دیکھا کہ کچھ لوگ کنکریوں پر تسبیحات و تہلیلات اور تکبیرات پڑھ رہے ہیں۔عبادت کا ایک نیا اور انوکھا طریقہ دیکھا، پہلی نظر میں تاڑ گئے کہ تسبیح و تہلیل اور تکبیر پڑھنے کا یہ طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ سے آہنگ نہیں ہے لیکن صحابہ کرام کے مابین الھڑپن نہیں تھا، وہ علم اور علماء کی قدرداں تھے، وہ مسائل کو اپنے سے بڑے جانکار کی طرف احالہ کیا کرتے تھے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، ان کے نکلنے کا انتظار کیا اور جب وہ باہر آئے تو انہیں پورا واقعہ کہہ سنایا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر اظہار خفگی بھی فرمایا کہ منکر کو دیکھ کر خاموش کیوں رہے اور پھر بھاگے بھاگے مسجد پہنچے اور آپ نے ان حلقہ بنا کر تسبیح وغیرہ پڑھنے والوں کو زدوکوب کیا اور کہا:''مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوافِرُونَ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ''(تم لوگ

کس جلدی سے ہلاکت کے دہانے پر پہنچ گئے۔صحابہ کرام تمہارے درمیان ابھی بڑی تعداد میں موجود ہیں،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی بوسیدہ تک نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ٹوٹے تک نہیں۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر طریقہ پر ہو یا پھر بدعت وگمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔) جب ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو خیر وبھلائی کے جذبہ سے سرشار ہوکر یہ عمل انجام دے رہے ہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ یعنی خیر کے بہت سے متوالے خیر کو نہیں حاصل کرپاتے۔(سنن دارمی/210،تاریخ واسط لبحشل ص/198،شیخ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

تین صحابہ کرامؓ کا واقعہ ہو یا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کے عمل سے ناراضگی کا اظہار کیا ہو بھلا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ خیر وبھلائی کے سوا کسی دوسرے جذبہ سے سرشار تھے۔نہیں ہرگز نہیں، پھر بھی ان کا طریقہ مردود قرار پایا اور ڈانٹ و پھٹکار کے مستحق ٹھہرے تو بھلا آج کے دور میں کوئی دین کے اندر سختی پیدا کرنے کی کوشش کرے، اپنے نفس کو مشقت وپریشانی میں ڈالے، بدن پر ظلم کرے تو گرچہ یہ سب کام عبادت اور خیر وبھلائی کے نام پر انجام دے لیکن اسے کیوں کر درست اور جائز کہا جاسکتا ہے۔

☆ **ریاکاری کا خدشہ:** کسی بھی عبادت کی قبولیت کے لئے دو شرطیں ہیں۔پہلی شرط ہے کہ وہ خالص للہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سنت رسول کے موافق ہو۔ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہوگی تو عبادت قابل قبول نہیں ہوسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر مختلف مقامات میں اخلاص کی تعلیم دی ہے۔فرمایا: ''وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ'' (سورۃ البینۃ/5) (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔)

ایک دوسری جگہ فرمایا: ''إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ'' (سورۃ الزمر/2) (یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔)

مزید فرمایا: ''وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ'' (سورۃ الأعراف/29) (اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔)

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ کسی بھی عمل کو انجام دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی نیت کرے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: ''إِنَّمَا الأعمالُ بالنِّيَّاتِ وإنَّما لِكلِّ امرءٍ ما نوى فمن كانت هجرتُهُ إلى اللَّهِ ورسولِهِ فهجرتُهُ إلى اللَّهِ ورسولِهِ ومن كانت هجرتُهُ إلى دنيا يصيبُها أو امرأةٍ ينكحُها فهجرتُهُ إلى ما هاجرَ إليهِ '' (تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے گا۔جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے لئے مانی جائے گی اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لئے ہوگی یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے ہوگی تو جس چیز کے لئے ہجرت کی ہوگی اس کی ہجرت اس کے لئے متصور ہوگی۔) (صحیح بخاری/54، صحیح مسلم/1907)

ہجرت ایک بہت فضیلت یافتہ عمل ہے لیکن اگر انسان دنیوی مقصد کے لئے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت اکارت ہوجاتی ہے اور اسے ثواب حاصل نہیں ہوتا ہے۔اس حدیث کے سبب ورود پر غور کریں کہ ایک شخص نے محض کسی عورت سے شادی کے مقصد سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اکارت بے کار ہوگئی کیونکہ اس کی ہجرت میں خلوص وللہیت نہیں تھی بلکہ دنیوی مقصد کارفرما تھا۔

ہم یہ تو ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ کوئی پیدل چل کر حج کرنے جارہا ہے تو اس کی نیت میں فتور ہے کیونکہ یہ اس انسان کا اور اللہ کا معاملہ ہے لیکن ''نحن نحكم بالظواهر وسرائرهم الى الله'' کے تحت اتنا ضرور کہیں گے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی عبادتوں کی تشہیر نہ کرے کیونکہ اخلاص اور ریاکاری کے بیچ میں بہت باریک فرق ہے۔دل میں جہاں یہ احساس پیدا ہوا کہ لوگ ہماری عبادت کو جانیں، دیکھیں اور اس کے تعلق سے گفتگو کریں یا ہمیں اچھا کہیں پھر ہماری عبادت ہمارے لئے وبال بن جاتی ہے۔ریاکاری انسان کے اعمال کو دنیا میں تباہ کردیتی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قیامت والے دن سب سے پہلے جن تین لوگوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا وہ ریاکار عالم دین، ریاکار سخی اور ریاکار شہید ہیں، جو اپنے اعمال کی فضیلت اور بلندی کے باوجود ریاکاری کی وجہ سے سب سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم مسیح دجال کا تذکرہ کررہے تھے کہ ہمارے بیچ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''ألا أُخبِرُكُم بما هو أخوفُ عليكُم عندي من المسيحِ الدَّجالِ؟'' یعنی کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: ہاں! کیوں نہیں؟! آپ نے فرمایا: ''الشِّركُ الخفيُّ، أنْ يقومَ الرَّجلُ يُصلِّي فيُزَيِّنُ صلاتَهُ لِمَا يَرى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ '' یعنی وہ شرک خفی ہے کہ آدمی کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور کسی شخص کو اپنی طرف دیکھتا ہوا دیکھ کر اپنی نماز اور سنوار لے۔'' (سنن ابن ماجہ/3408، شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إنَّ أخوفَ ما أخافُ عليكُمُ الشِّركُ الأصغرُ '' یعنی مجھے تمہارے حق

میں سب سے زیادہ ڈر شرک اصغر کا ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا: شرک اصغر کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' الرِّيَاءُ، يقولُ اللهُ عَزَّ وجلَّ لهم يومَ القيامةِ: إذا جُزِيَ الناسُ بأعمالِهِمْ: اذهَبُوا إلى الذينَ كُنتُمْ تُرائُونَ في الدُّنيا فانظُرُوا هلْ تَجِدُونَ عندَهُمْ جَزَاءً '' یعنی ریا کاری کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالی قیامت والے دن جب لوگوں کو بدلہ دے گا تو ریا کاروں سے کہے گا: ان ہستیوں کی طرف چلے جاؤ، جن کے سامنے دنیا میں ریا کاری کرتے تھے اور دیکھو آؤ آیا ان کے پاس کوئی بدلہ ہے؟'' (مسند احمد 5/428، شیخ البانی نے صحیح الترغیب والترہیب /32 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

اب اگر کوئی سفر حج کے لئے پیدل جاتا ہے اور اس کی خوب تشہیر کرتا ہے، ریلیں بنوا کر سوشل سائٹس پر عام کرتا ہے، جس علاقہ میں جاتا ہے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں سے ملتا ہے، ان کی ضیافت سے مستفید ہوتا ہے، اپنے پیچھے ایک بھیڑ لے کر چلتا ہے اور جب کسی صوبہ میں جارہا ہے تو وہاں پولیس اور سیاسی شخصیات اس کا استقبال کررہی ہیں تو بھلا ان تمام چیزوں کے بعد بھی ہم کیسے کہیں کہ ایسے انسان کی نیت خالص ہے۔ اگر حج کے لئے پیدل رخت سفر باندھنے والے شخص نے اپنے سفر کو مخفی رکھا ہوتا، اس کی تشہیر نہیں کی ہوتی اور پورے ملک میں بذریعہ ویڈیوز اس چیز کو عام نہ کیا ہوتا شاید ہم یہ بات نہ کہتے لیکن یہاں یہ سبھی قباحتیں موجود ہیں۔ اللہ ہمارے اعمال کے اندر اخلاص پیدا فرمائے۔

☆ عائلی ذمہ داریوں سے پہلوتہی:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان فطرتا مدنی الطبع ہے۔ وہ اپنی زندگی بسر کرنے کیلیے سماجی تعلقات کا محتاج ہے۔ انسان اپنے وجود، پرورش، تعلیم، صحت غرضیکہ زندگی کے تمام معاملات میں قدم بقدم دم مرگ تک جہاں اپنے خالق کائنات کی خاص عنایتوں کے مرہون منت ہے، وہاں ایک دوسرے کیساتھ سماجی تفاعل کا احتیاج بھی رکھتا ہے، انسان بطور سماجی رکن اپنے وجود کے فوراً بعد جس معاشرتی ادارے کا محتاج ہوتا ہے وہ ادارہ 'خاندان' کہلاتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی، روحانی، اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس ادارے میں رہن سہن کے طور طریقوں کو عائلی نظام زندگی کہا جاتا ہے۔ عائلی زندگی ہی انسانی شخصیت کی پہلی اینٹ رکھتی ہے اور اسکی تعمیر سازی کا آغاز کرتی ہے۔ عائلی زندگی کی بنیادی اکائی کی حیثیت میاں بیوی کو حاصل ہے۔ عائلی زندگی میں بھائی، بہن، والدین، ماں، باپ، دیگر اقرباء اور رشتہ داروں کو نمایاں مقام حاصل ہے اور سبھی کے حقوق متعین ہیں۔

عائلی زندگی میں ہر فرد کی ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا ہے تاکہ گھر کا نظام پرسکون بنا رہے، عزتیں بحال رہیں اور عزت وآبرو کی حفاظت ہو سکے لیکن آپ غور کریں کہ کوئی شخص اپنی ذمہ داریوں سے تہی داماں ہو کر سال بھر کی مدت کے سفر پر نکل جاتا ہے تو کیا وہ گنہگار نہیں ہوگا؟ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''كفى بالمرء إثماً أن يضيّع من يَقُوت '' یعنی انسان کے گنہگار ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ انہیں ضائع کر دے جن کے اخراجات اس کے ذمہ ہے۔ (سنن ابوداود/1692، شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو مشکاۃ المصابیح/3346 میں صحیح قرار دیا ہے۔)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف'' یعنی عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ کیونکہ تم نے انہیں اللہ کے امان کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمہ کے ذریعہ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے۔ ان کے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو ہلکی مار مارو اور ان کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم معروف اور معتدل ڈھنگ سے ان کے کھانے اور کپڑے کا بندوبست کرو۔ (صحیح مسلم/1218)

سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إنَّكَ لن تُنفِقَ نفقةً تبتغي بها وجهَ اللهِ عزَّ وجلَّ إلَّا أُجِرْتَ بها حتَّى ما تجعلُ في فَمِ امرأتِكَ'' یعنی تم جو کچھ بھی خرچ کروگے حتی کہ اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں کھانا بھی ڈالوگے، اگر اس سے مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو تو اس پر تمہیں اجر وثواب حاصل ہوگا۔ (صحیح بخاری/56)

آپ غور کریں کہ بیوی بچوں کو کھلانے کو ضروری اور باعث ثواب قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص سال بھر بلا وجہ ان سے دور رہتا ہے، ان کے تعلق سے اپنی ذمہ داریوں کا انحراف کرتا ہے، بلا وجہ والدین سے دور رہتا ہے، دوسرے اقرباء کے حقوق کی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے تعلق سے ہم کیا کہیں گے۔ ہاں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج کے زمانے میں بہت سارے لوگ کمانے کے مقصد سے دور دراز ممالک کا سفر کرتے ہیں اور سال دو سال بلکہ اس سے زیادہ مدت تک گھر نہیں آتے ہیں تو کیا اسے بھی ہم غیر مناسب کہیں گے؟ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ایسے لوگ بربنائے ضرورت اپنے اہل وعیال سے دور رہتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اپنے بال بچوں سے دو سال، تین سال یا اس سے زیادہ مدت دور رہتے ہیں ان کے اس عمل کو علمائے کرام نے غیر مستحسن قرار دیا ہے۔

سفر حج کا شرعی حکم: اب انتہائی اختصار کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں پیدل سفر حج کے تعلق سے کیا کوئی حکم موجود ہے یا پھر یہ مسکوت عنہ مسئلہ ہے۔ جب ہم احادیث کے مجموعہ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو اس معنیٰ کی کچھ حدیثیں ملتی ہیں جن کے رو سے پیدل حج کرنا غیر مستحسن قرار پاتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہا تھا۔ آپ نے اسے دیکھ

کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ اللّٰہَ عن تَعْذِیبِ ھذا نَفْسَہُ لَغَنِيٌّ ''یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے نفس کو مصیبت میں ڈالنے سے بے نیاز ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے سوار ہونے کا حکم دیا۔(صحیح بخاری/1865)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدل چلنا کسی بھی طرح سے نیکی کا کام نہیں ہے بلکہ اگر وسائل سفر میسر ہوں تو ان کا استعمال کرنا چاہئے۔ اس حدیث میں حج کا تذکرہ تو نہیں ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اس کو سفر حج پر ہی محمول کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب قائم کرتے ہوئے لکھا ہے: ''باب من نذر المشی الی الکعبة ''اور امام مسلمؒ نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے: ''باب من نذر أن یمشی الی الکعبة''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسائل سفر کو اختیار نہ کرنا اور پیدل سفر کرنا خود کو مشقت میں ڈالنا ہے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ایسے شخص کو سوار ہونے کا حکم دیا ہے۔

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن نے نذر مانی کہ وہ پیدل خانہ کعبہ تشریف لے جائیں گی اور انہوں نے کہا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کروں گا۔ چنانچہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''لِتَمْشِ وَلْترکبْ ''یعنی کچھ حصہ پیدل اور کچھ حصہ سوار ہو کر طے کرے۔(صحیح بخاری/1866، صحیح مسلم/1644)

یہی روایت سنن ابوداود میں بایں الفاظ منقول ہے: ''إِنَّ اللّٰہَ تَعَالَی لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ أُخْتِکَ فَلْتَرْکَبْ وَلْتُھْدِ بَدَنَةً ''یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کے پیدل جانے کی پرواہ نہیں۔ اپنی بہن سے کہو کہ وہ سوار ہو جائے اور بطور کفارہ ایک اونٹ کی قربانی دے دیں۔(سنن ابوداود/3296، شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔)

اس حدیث سے بھی واضح ہوجاتا ہے کہ خانہ کعبہ کا پیدل سفر کرنا اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنا نیکی کا کام نہیں ہے اور اسے کسی بھی طرح سے مستحسن نہیں قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی بہن کو بھی سوار ہونے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم

یہ دونوں حدیثیں مسئلہ ہذا میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ انسان خود کو مشقت میں ڈالے یا پھر ایسا کوئی کام کرے جو اس کے لئے باعث اذیت بنے۔ آپ دیکھیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کے دوران روزہ رکھنے کے بارے میں کہا ہے: ''لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ ''یعنی سفر کے دوران روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں ہے۔(صحیح بخاری/1946، صحیح مسلم/1115)

اس سلسلے میں ایک اہم قابل غور پہلو یہ ہے کہ موجودہ دور میں جو ملکی حد بندیاں اور سفارتی قیود اور پابندیاں ہیں انہیں عبور کرنا آسان نہیں ہے، اس کے لئے دوڑ دھوپ اور بے انتہاء مشقت ہوتی ہے بلکہ اس دور میں ایک خطیر رقم کے بغیر ایسی کاغذی کاروائی کرالینا اور تمام سرحدوں کی اجازت مل جانا غالبا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔ ظاہر ہے جتنی رقم اس کاروائی میں صرف ہوئی ہوگی اور اتنے دنوں میں سفر میں رہنے پر جو صرفہ آیا ہے اتنی رقم کے ذریعہ جہاز سے بآسانی سفر ہوسکتا ہے، اب اتنی رقم اور محنت دوسری طرف استعمال کرنے کے بجائے اگر ہوائی جہاز کے سفر میں کرلیا جاتا تو سنت سے ہم آہنگی بھی ہوتی اور سفر کی کلفت بھی جاتی رہتی۔

پیدل سفر حج کے تعلق سے ضعیف احادیث: ہمارے سماج میں بہت سی بدعتوں کی ترویج واشاعت ضعیف احادیث کی وجہ سے بھی انجام پائی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ دور میں ایک یوٹیوبر کے دل میں مکہ مکرمہ کا پیدل سفر کرکے حج کرنے کا شوق بھی ضعیف احادیث کی بنیاد پر جنم لیا ہے۔ ذیل میں کچھ ایسی ہی حدیثوں کا تذکرہ کرکے ان کا حکم علمائے سابقین کے اقوال کی روشنی میں ذکر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

☆ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے مدینہ سے مکہ پیدل چل کر حج کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أُرْبُطُوا أَوْسَاطَکُم بِأُزُرِکُمْ ''یعنی اپنے تہہ بند اپنی کمر میں باندھ لو، اور آپ ایسی چال چلے جس میں دوڑ ملی ہوئی تھی۔

(سنن ابن ماجہ/610، یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حمران بن اعین نامی ایک راوی ہے جسے علمائے جرح وتعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے ''لیس بشئ''، امام ابوداود نے ''رافضی'' اور امام نسائی نے ''لیس بثقة'' قرار دیا ہے۔ اسے شیخ البانی نے بھی ضعیف ابن ماجہ میں ضعیف کہا ہے۔)

☆زادان کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک بار سخت بیمار ہوئے تو اپنی اولاد وامجاد کو بلا کر فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مَنْ حَجَّ مِنْ مَکَّةَ مَاشِیًا کَتَبَ اللّٰہُ لَہُ بِکُلِّ خُطْوَةٍ سَبْعَ مِائَةِ حَسَنَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ ''یعنی جو مکہ سے پیدل حج کے لئے جائے یہاں تک کہ مکہ لوٹ آئے تو اس کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں ہیں جن میں سے ہر نیکی حرم کی نیکیوں کے مثل ہے۔ عرض کیا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ فرمایا'' کُلُّ حَسَنَةٍ بِمِائَةِ أَلْفِ حَسَنَةٍ''یعنی ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

(مستدرک حاکم 1/461، سنن بیہقی 10/78، المعجم الکبیر للطبرانی 3/169/1، المعجم الأوسط 1/112/2، الکنی للدولابی 2/13، شیخ البانیؒ نے فرمایا کہ اس کی سند میں عیسیٰ بن سوادہ نامی ایک راوی ہے جس کے بارے میں ابوحاتم نے الجرح والتعدیل 3/1/277 میں منکر الحدیث کہا ہے اور امام بخاری نے بھی منکر قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے اس روایت کو شیخ البانی نے ضعیف جدا قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: سلسلة الأحادیث الضعیفة/495)

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إن للحاج الراكب بكل خطوة تخطوها راحلته سبعين حسنة، والماشي بكل خطوة يخطوها سبعمائة حسنة “یعنی سواری پر حج کے لئے جانے والے کے ہر قدم پر سات نیکیاں ہیں جبکہ پیدل جانے والے کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں ہیں۔

(المعجم الکبیر 3/165/2، المختارۃ للضیاء المقدسی 2/204، شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں یحیٰ بن سلیم اور محمد بن مسلم دو ضعیف راوی ہیں۔ نیز اس کی سند میں اضطراب بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ/ 496)

☆ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس میں ہے: ” لا يرفع الحاج قدما ولا يضع أخرى إلا حط الله عنه بها خطيئة ورفع له درجة وكتب له حسنة “یعنی حاجی ایک قدم اٹھا کر دوسرا قدم نہیں رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے، اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔(المتفق والمفترق للخطيب البغدادی / 42، کنز العمال/ 11838، اس حدیث کی سند میں ضعف ہے جیسا کہ شیخ علی متقی بن حسام الدین ہندی نے کنز العمال میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے۔)

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”الحاج الراكب له بكل خف يضعه بعيره حسنة، والماشي له بكل خطوة يخطوها سبعون حسنة من حسنات الحرم “یعنی سواری پر حج کو جانے والے کے لئے اونٹ کے ہر قدم پر ایک نیکی ہے اور پیدل جانے والے کے لئے ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے ستر نیکیاں ہیں۔

اس حدیث کو امام دیلمی نے مسند فردوس/ 789 میں اور امام ابن عدی نے الکامل 4/ 258 میں روایت کیا ہے اور یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد بن ربیعہ قدامی مصیصی ہیں جو مالک اور ابراہیم بن سعد سے روایت کرتے ہیں۔ انہیں امام ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ حدیث عبداللہ بن محمد کے علاوہ دوسری سند سے بھی مروی ہے لیکن وہ بھی درست نہیں ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الجامع / 2748 میں اور سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ/ 3500 میں اسے ضعیف جدا قرار دیا ہے۔

☆ ”للماشي أجر سبعين حجّة، وللراكب أجر ثلاثين حجّة“ یعنی پیدل جانے والے کے لئے ستر حجوں کا اجر ہے جبکہ سوار کے لئے ایک حج کا ثواب ہے۔

المعجم الأوسط للطبرانی / 7083، یہ روایت موضوع ہے۔ شیخ البانی نے اپنی کتاب حجة النبي صلى الله عليه وسلم كما رواها جابر رضي الله عنه ص: 54 میں سخت ترین ضعیف قرار دیا ہے۔

☆ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إن الملائكة لتصافح ركاب الحجاج وتعتنق المشاة “یعنی فرشتے سوار حاجیوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور پاپیادہ حاجیوں سے معانقہ کرتے ہیں۔

شعب الایمان للبیہقی / 4099، امام بیہقی نے اور امام مناوی نے فیض القدیر/ 2124 میں اسے ضعیف قرار دیا ہے اور شیخ البانی نے ضعیف الجامع / 1788 میں اسے موضوع کہا ہے۔

یہ پیدل سفر حج کی فضیلت میں وارد احادیث ہیں جن میں سے سبھی حدیثیں موضوع اور ضعیف جدا ہیں۔ لہذا یہ روایتیں ایک دوسرے کو تقویت نہیں پہنچا سکتی ہیں۔ اس لئے ان حدیثوں سے پیدل سفر حج کی افضلیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

بعض حضرات نے سفر حج کی مشروعیت پر اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ “(سورۃ الحج/ 27)(اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے لوگ تیرے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔)

اس میں موجود ”رِجَالًا“ سے کچھ لوگوں نے پیدل سفر حج کی افضلیت پر استدلال کیا ہے لیکن یہاں یہ بات واضح کر دینا مناسب ہے کہ حج کے لئے پیدل سفر کرنے کے جواز پر بھلا کس کو اعتراض ہوسکتا ہے۔ یہاں اعتراض اس بات ہے کہ ہم وسائل سفر کو چھوڑ کر ایک دن کا سفر مہینوں اور سالوں میں طے کریں۔ سفر حج کو تماشۂ عام وخاص بنائیں، تصویر کشی کے مرتکب ہوں، بھیڑ اکٹھا کریں اور عبادت کو خالص للہ انجام نہ دے کر اسے ریا ونمود کے لئے انجام دیں۔ اس لئے موجودہ دور میں مسئلہ سفر حج کے جواز پر کلام نہیں ہے بلکہ جو حالات وکوائف ہیں ان میں کیا وسائلِ سفر کو چھوڑ کر پیدل سفر حج کرنا مناسب ہے۔

اسی طرح کچھ احباب نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے سفر کے لئے پیدل حج کرنے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ جوانی میں فوت ہونے والی چیزوں میں صرف میں اس بات پر نادم ہوں کہ میں پیدل حج کو نہ جاسکا۔

لیکن اس روایت سے استدلال بھی درست نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کی جملہ سندیں متکلم فیہ ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ صحابی کا قول ہے اور یہ ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

محرم الحرام ۱۴۴۴ھ کا چاند نظر نہیں آیا

دہلی: ۲۹/جولائی ۲۰۲۲ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۹/جولائی ۲۰۲۲ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب بمقام اہل حدیث کمپلیکس، اوکھلا، نئی دہلی میں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی اور رؤیت ہلال ماہِ محرم الحرام کے سلسلے میں حسب سابق ملک کے اکثر صوبوں کے ذمہ داروں اور ملی تنظیموں سے بذریعہ فون رابطے کیے گئے مگر کسی بھی صوبہ سے رؤیت ہلال کی مصدقہ ومستند خبر موصول نہ ہوئی۔ بنابریں مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی نے یہ فیصلہ کیا کہ کل مورخہ ۳۰/جولائی ۲۰۲۲ء، بروز ہفتہ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ کی ۳۰/ویں تاریخ ہوگی۔ ان شاء اللہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اعلیٰ تعلیمی وتربیتی ادارہ المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ میں تقریب یوم آزادی کا انعقاد، پرچم کشائی اور امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی کا فکر انگیز خطاب اور اہل وطن کو مبارکباد

دہلی: ۱۶/اگست ۲۰۲۲ء

آج یقیناً ہمارے دل مسرت وشادمانی کے مبارک جذبات سے لبریز ہیں اور ہم سب ہندوستانی وطن عزیز ہی میں نہیں بلکہ بیرون ملک میں بھی جہاں کہیں بھی ہیں پورے قومی جذبہ اور جوش وخروش کے ساتھ اپنے اپنے طور پر یوم آزادی منا رہے ہیں۔ ہمیں حق بھی ہے کہ اس دن کو یوم عزم اور یوم تشکر کے طور پر منائیں اور اپنے اسلاف کی نعمت آزادی حصول کے لیے ان گنت جانی ومالی قربانیوں کو یاد کریں اور عزم نو کریں کہ ملک وملت کی تعمیر وترقی اور نیک نامی کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کرنے سے کبھی گریز نہیں کریں گے اور ہمارے اسلاف نے آزاد ہندوستان کے تئیں جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کے لیے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ ان خیالات کا اظہار مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے کیا۔

موصوف کل یوم جمہوریہ کے پرمسرت موقع پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اعلیٰ تعلیمی وتربیتی ادارہ المعہد العالی للتخصص فی الداراسات الاسلامیہ نئی دہلی واقع اہلحدیث کمپلیکس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی میں پرچم کشائی کے بعد طلبہ واساتذہ اور حاضرین سے خطاب کررہے تھے۔

انہوں نے کہا کہ یہ آزادی بڑی قربانیوں کے بعد ہمیں حاصل ہوئی ہے، اس لیے اس نعمت کی قدر کریں اور ہر اس عمل سے باز رہیں جس سے آزادی کی روح مجروح ہوتی ہو۔ یاد رہے کہ ہمارے آباواجداد نے بلاتفریق مذہب ومسلک سب مل کر اس کو آزاد کرایا اور اسے اپنے خون دل سے سینچا اور گنگا جمنی تہذیب کی اساس پر پروان چڑھایا ہے۔ آج بھی متحد اور باہم مربوط ومنظم ہوکر ہی اس کی حفاظت ودفاع اور تعمیر وترقی کا حق ادا کرسکتے ہیں۔

مولانا نے اپنے خطاب میں تحریک شہیدین خصوصا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علمی وفکری وراثت کے امین اسکندر عزم شاہ محمد اسماعیل شہید اور صادقان صادق پور کا ذکر جمیل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آزادی میں ہماری قوم وملت خصوصا جماعت اہل حدیث کی عظیم قربانیوں کی خونچکا داستانیں چھپی ہوئی ہیں۔ وہ صادقان صادق پور جن کی انگریزی استعمار کے خلاف جدوجہد اور مساعی جمیلہ کی وجہ سے انگریزوں نے ان کے گھروں اور بنگلوں کو ڈھا کر زمین دوز کردیا تھا، وہ درویش صفت تھے اور ان کی قربانی اور دین ووطن سے محبت، استعمار سے نفرت، خدا ترسی، تقویٰ شعاری، بے لوثی اور سادگی ضرب المثل تھی، انہوں نے تختہ دار پر چڑھنا اور عبور دریائے شور کی اذیت کو گوارا کیا اور اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ یہ ساری باتیں اس وقت کے سرکاری گزٹ، رپورٹس اور تاریخ کی کتابوں میں جلی عنوان سے لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اپنے اس قابل فخر ورثہ اور سنہری تاریخ کو بھلا دیا ہے۔ حتی کہ اس سے ادنیٰ شغف بھی نہیں رہ گیا ہے تو ایسے میں نئی نسل اپنے جلیل القدر آباء کا علم ازبر کر کے میراث پدر کی حقدار کیسے ہوسکتی ہے۔ جوکہ بہر حال ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح ان مجاہدین آزادی نے ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں سب بھائی بھائی کا نعرہ مستانہ دیا تھا اور سب نے مل کر انگریزوں کو دیش نکال دینے کا کام کرکے آزادی کی نعمت سے مالا مال ہوئے تھے آج بھی ہم عزم کریں کہ سب مل کر اتحاد واتفاق کے ساتھ وطن عزیز کی تعمیر وترقی کے لیے کام کریں گے اور ملک کی سالمیت، جمہوریت اور عزت ووقار کے لیے ہر طرح کی قربانی دیں گے۔

امیر محترم نے مزید کہا کہ آزادی اور حق کے نام پر انارکی، بدحواسی، افراتفری اور بھید بھاؤ سے اجتناب کیجئے اور ملک وملت کی تعمیر وترقی میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے لگ جائیے۔ اور اپنی جان پر کھیل کر اس کی آن، بان، شان پر آنچ آنے نہیں آنے دیجئے۔ ایمانداری اور امانت داری کا یہی تقاضا اور یوم آزادی کا یہی پیغام ہے جو ہر گھڑی پیش نظر رہنا چاہئے۔

اس پرمسرت موقع پر المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کارکنان صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی کے ذمہ داران اور علاقے کی اہم شخصیات موجود تھیں۔ ان میں مولانا عبدالستار سلفی، مفتی جمیل احمد مدنی، الحاج قمر الدین، ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی، انجینئر قمر الزماں، انجینئر الحاق احمد، ڈاکٹر عبدالواسع تیمی، محمد ایاز تقی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر طلبہ نے قومی ترانہ اور ترانہ ہندی گانے کا بھی اہتمام کیا۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کا دو روزہ ورثۃ الانبیاء دعوتی کنونشن برائے علماء دعاۃ خطباء وائمہ، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کی بحیثیت مہمان خصوصی شرکت اور پرمغز ناصحانہ وعالمانہ خطاب: مورخہ ۳۰-۳۱/جولائی ۲۰۲۲ء کو صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے زیر اہتمام آل صوبہ کا ایک علمی دورہ، دوروزہ علمی، دعوتی وتربیتی: ''ورثۃ الانبیاء دعوتی کنونشن (برائے علماء، دعاۃ، خطباء، ائمہ)'' بمقام مرکزی مسجد وڈے گری، شہر کرنول میں منعقد کیا گیا، جس کی صدارت محترم شیخ فضل الرحمن عمری صاحب، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش نے فرمائی۔ اور جس میں اکابر وموقر علمائے کرام ڈاکٹر سعید احمد عمری مدنی، ڈاکٹر رنذیر احمد عمری، ڈاکٹر عبدالغنی عمری مدنی، شیخ طہ سعید خالد عمری مدنی، شیخ اسعد اعظمی مدنی، شیخ عبدالحسیب عمری مدنی، شیخ عارف الدین کلیم عمری مدنی مدراس، شیخ حافظ فاروق عمری مدنی صاحبان اور مجرب دعاۃ عظام میں شیخ عبدالمحصی عمری اور شیخ صداقت اللہ عمری صاحبان نے گرانقدر تقاریر ودروس پیش کئے۔

یہ کنونشن اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام تھا جو علمی دروس سے معمور تھا، شہری جمعیت اہل حدیث کرنول کے امیر جناب پروفیسر عبیداللہ صاحب، ضلعی جمعیت اہل حدیث کرنول کے امیر شیخ جمال الدین عمری اور ان کے رفقاء وذمہ داروں نے عمدہ پروگرام اور طعام وقیام کا بڑا ہی بہترین انتظام کیا جس کی سامعین نے ستائش کی۔ منتظمین میں نوجوان احباب، علمائے کرام، ذمہ داران جمعیت وجماعت اور عمائدین شہر کی کارکردگی اطمینان بخش تھی۔ اللہ ان کی خدمات کو قبول فرما کر بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین

اس کنونشن میں صوبہ آندھرا پردیش کے تمام اضلاع کے ذمہ داران، علماء کرام ودعاۃ عظام اور ان کے معاونین نے شرکت کی، دیگر صوبہ جات سے بھی جماعتی احباب نے شرکت کی، جن کی تقریباً کل تعداد ساڑھے تین سو تھی۔

۳۰/جولائی کی صبح ساڑھے آٹھ بجے کنونشن کا افتتاحی پروگرام ہوا، صبح ۹/بجے دروس کا سلسلہ شروع ہوا، کل ۲۰ دروس ہوئے، بتاریخ ۳۱/جولائی بعد نماز عصر اختتامی پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مدنی حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے شرکت فرمائی۔ آپ نے اپنے خصوصی خطاب میں اسلامی تاریخی واقعات کی روشنی میں جماعت وجمعیت کا نظم وخاکہ پیش کیا، اور کہا کہ صحابہ کرام کے ایثار اور قربانیوں نے اسلام کو ہم تک پہنچایا ہے۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ اس پر ثابت قدم رہیں، اس پیغام حق کو اوروں تک پہنچائیں، آپ کے پرمغز ناصحانہ پیغام نے سامعین کے دلوں میں نیا ولولہ پیدا کردیا۔ اللہ تعالیٰ امیر محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ خازن صوبہ جناب فاروق خان صاحب نے کنونشن کی جملہ ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں، پروگرام کی نظامت کے فرائض شیخ قاضی سید منور جامعی نے انجام دیئے۔ ڈاکٹر عبدالغنی عمری مدنی، مولانا محمد انعام اللہ عمری ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث کرشانے اپنے تاثرات سے سب کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کنونشن کے انعقاد میں حصہ لینے والے سبھی حضرات کی محنتوں کو قبول فرمائے، آخرت کے لئے زادراہ بنائے، آمین (فضل الرحمٰن عمری، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش)

امان اللہ بیگ صاحب خازن جامعہ دارالتوحید رحیم آباد کرناٹک کا انتقال پرملال مورخہ ۲۲/اگست ۲۰۲۲ء کو جامعۃ التوحید اور اہالیان رحیم آباد ضلع کولار، کرناٹک کے لیے وہ گھڑی نہایت، دکھ، غم، افسوس اور صبر کی تھی جب امان اللہ بیگ (خازن جامعہ دارالتوحید رحیم آبادی) اس دنیائے فانی سے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا اس دنیا سے رخصت ہوجانا جامعہ دارالتوحید رحیم آباد واہلیان رحیم آباد کے لئے اتنا عظیم خسارہ ہے جس کی بھرپائی آسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ واہلیان رحیم آباد کو ان کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ مرحوم جامعہ دارالتوحید کے روح رواں تھے۔ ان کے انتقال سے جامعہ میں ایک خلا پیدا ہوگیا۔ انھوں نے جامعہ کی ترقی کی خاطر جان، مال اور وقت سب کچھ وقف کردیا تھا۔ مرحوم امان اللہ بیگ جامعہ دارالتوحید رحیم آباد کے آغاز سے تاحیات خازن اور شہر ماستی کی مرکزی جامع مسجد کے متولی بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ مرحوم امان اللہ بیگ کی ان بے لوث خدمات اور قربانیوں کو ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے، مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے مرحوم کے تمام اعزاء واقرباء اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (شریک غم: منتظمین، اراکین وجملہ اساتذہ کرام جامعہ دارالتوحید رحیم آباد)

ضلعی جمعیت اہل حدیث مالدہ کے ناظم معروف عالم دین مولانا محمد اسرائیل عالیاوی صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال پرملال: یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ضلعی جمعیت اہل حدیث مالدہ کے ناظم اور صوبائی جمعیت اہل حدیث مغربی بنگال کے نائب ناظم معروف عالم دین مولانا محمد اسرائیل عالیاوی صاحب کی والدہ ماجدہ کا مورخہ 17/اگست 2022ء کو بعد نماز مغرب طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ نہایت خلیق وملنسار، متواضع، مہمان نواز اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ کل صبح دس بجے آبائی وطن مالدہ میں ان کی تدفین عمل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ پسماندگان میں شوہر، مولانا محمد اسرائیل عالیاوی صاحب سمیت تین صاحب زادے، چھ صاحب زادیاں اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، نیکیوں کو قبول کرے، جنت الفردوس کی مکین بنائے، پسماندگان مولانا محمد اسرائیل عالیاوی صاحب اور ان کے والد گرامی، بھائیوں اور بہنوں کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔ (شریک غم ودعا گو: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) ☆☆

اہل حدیث منزل کی تعمیر و تکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

خوشخبری خوشخبری

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا

کلینڈر 2023

جاذبِ نظر، خوشنما، ہر صفحہ اسلامی تعلیمات سے مزین، قابل دید
قرآنی آیات سے آراستہ اور اہم معلومات سے پُر کلینڈر
چھپ کر بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے۔

اپنا آرڈر پیشگی بک کرائیں۔

مکتبہ ترجمان

Ahle Hadees Manzil 4116, Urdu Bazar
Jama Masjid, Delhi-110006

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292
Ph:011-23273407,Fax:011-23246613